ہفت روزہ

ندائے خلافت

۱۳ دسمبر ۱۹۹۳ء

☆ کراچی کے خالق دیناہال میں خلافت کی اذاں پھر گونجی

☆ استحکام پاکستان کا ایک ذریعہ: صوبوں کی تشکیل نو

☆ نواز شریف کچھ صبر اور انتظار نہیں کر سکتے؟

حدیث امروز

نازک قومی مسائل اور ہمارے سیاستدان

آج پاکستان جس نازک صورت حال سے دوچار ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ قوم ہوش کے ناخن لے۔ ہم نے اپنی مختصر تاریخ میں متعدد خطرناک مراحل طے کئے ہیں تاہم جس موڑ سے ہم اس وقت گزر رہے ہیں وہ "نیو ورلڈ آرڈر" کا شاخسانہ ہے اور ہماری شامت اعمال بھی کہ اس میں مضمر خطرات کی طرف سے ہم نے آنکھیں موندلی ہیں۔ کیا اس مجرمانہ اغماض کی تعزیر سے ہم بچ سکیں گے؟

مسئلہ کشمیر پچھلے ۴۵ سال سے معلق چلا آرہا تھا لیکن نئی امریکی منصوبہ بندی نے سال ڈیڑھ سال سے نئی جہتوں کا اضافہ کر کے اسے "آج کی تازہ خبر" میں تبدیل کر دیا ہے جس کا عنوان کشمیری مسلمانوں کی قربانیاں نہیں بلکہ سرفروشوں کا لہو تو زیلی سرخی بھی نہیں بن رہا کیونکہ اصل متن جدید استعمار کی اپنی مصلحتوں کی شرح پر مشتمل ہے۔ نیا سامراج کشمیر جنت نظیر کو اپنی ریشہ دوانیوں کا اڈا بنانا چاہتا ہے جہاں سے چاروں طرف واقع ممالک میں زیر زمین سرنگیں کھود کر رسائی حاصل کی جاسکے، چین پر نظر ہے، بھارت بھی خود سری پر نہ اتر آئے، پاکستان انگوٹھے تلے رہے، افغانستان میں بغیر اجازت پتا بھی نہ ہلے اور وسطی ایشیا کی مسلم ریاستیں سر اٹھانے کی ہمت نہ کریں جن میں بعض کے پاس ایٹمی ہتھیار بھی موجود ہیں۔

پاکستان کی جوہری صلاحیت یعنی ہمارا ایٹمی پروگرام امریکہ کی طبع نازک پر اب بہت گراں ہے، بالکل قابل برداشت نہیں۔ ہم سے مطالبہ کیا جارہا ہے کہ اپنی گزشتہ بیس برس کی محنت اور خون پسینے کی کمائی میں سے اربوں کھربوں کی اس پر سرمایہ کاری کو اپنے ہاتھوں سے تلف کر دیں اور پھر اپنے ازلی دشمن کے رحم و کرم پر رہتے ہوئے زندہ رہیں یا امریکہ کے سایہ عاطفت میں پورے کے پورے داخل ہو جائیں اور اپنی آزاد مرضی کو ہمیشہ کے لئے مکمل طور پر فارغ خطی دے کر وہ عیش کریں جس کی انکل سام ہمیں اجازت دے۔ پھر "نیو ورلڈ آرڈر" کی طرف سے اس علاقے میں کوتوالی کے فرائض انجام دیتے ہوئے اگر داد شجاعت بھی دے سکیں تو تمغہ خوشنودی بھی ہمارے سینوں پر سجا دیئے جائیں گے۔ بصورت دیگر ہمارے لئے اقتصادی پابندیاں ہیں، احتیاج ہے، بھوک ہے اور وہ حشر ہے جس کی مثال عراق کو بنایا جاچکا ہے اور مزید عبرت کے لئے لیبیا اور سوڈان کو بنایا جانے والا ہے۔

ایک طرف حالات کی یہ سنگینی اور دوسری طرف ہمارے سیاست دانوں کی یہ سفاکی کہ کشمیر اور ایٹمی صلاحیت کے مسائل کو ایک دوسرے کی چھیڑ بنا لیا گیا ہے۔ انہیں ایک دوسرے کو گرانے کے لئے تیر و تفنگ کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے جبکہ واقعہ یہ ہے کہ بالخصوص جوہری توانائی کا شعبہ آج تک کسی سیاسی حکومت کے اختیار میں رہا ہی نہیں۔ اسے بھٹو صاحب نے اس وقت شروع کیا جب وہ "نئے پاکستان" کے بے تاج بادشاہ تھے اور معاملہ براہ راست ان کے اور اعلیٰ ترین فوجی قیادت کے درمیان تھا۔ پھر یہ مرحوم ضیاء الحق کا ذاتی مسئلہ بن گیا کیونکہ وہ حکومت اور فوج کے بیک وقت سربراہ تھے۔ ۸۸ء میں فوج کے ساتھ اس پر کنٹرول اس سابق صدر غلام اسحاق خان شامل ہو گئے لیکن صنف نازک سے تعلق رکھنے والی کمزور وزیر اعظمی بے نظیر بھٹو کو مداخلت کا کوئی موقع نہیں دیا گیا۔ نواز شریف صاحب کی وزارت عظمیٰ کے دور میں بھی صورت حال کی نوعیت میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئی، سوائے اس کے کہ

(باقی صفحہ نمبر ۳ پر)

ذاتی رابطے کے ذریعے توسیع دعوت کا کام جاری ہے

عبدالرزاق، سیکرٹری تحریک

محترم جنرل انصاری صاحب نے بطور ناظم اعلیٰ تحریک خلافت پاکستان اپنی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد گزشتہ سہ ماہی کے دوران تحریک کے قریباً تمام حلقوں کا دورہ کیا تھا۔ ان دوروں کے دوران جو پروگرام ہوئے وہ زیادہ تر عوامی جلسوں، پریس کانفرنسوں اور تحریک کی مقامی کمیٹیوں کے ذمہ دار حضرات سے تعارف و ملاقات پر مشتمل تھے۔ الحمدللہ جنرل صاحب کے دوروں کا تحریک کے حلقوں کی کارکردگی پر بہت اچھا اثر ہوا۔

جنرل صاحب کے پیش نظر جو حکمت عملی ہے اس میں معاونین تحریک سے ذمہ دار حضرات کے ذاتی و انفرادی رابطے کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ انہوں نے اس ذمہ داری کا بوجھ اٹھاتے ہی اپنی اس حکمت عملی کو بیان بھی کر دیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے دوروں کے پہلے سلسلے کے اختتام پر آئندہ سہ ماہی کے لئے تمام حلقوں میں معاونین تحریک سے خصوصی ذاتی و انفرادی ملاقاتوں کا پروگرام دیا۔ مرکزی دفتر نے حلقوں کے ذمہ دار حضرات سے رابطے کر کے پروگراموں کو آخری شکل دی۔

اس پروگرام کا آغاز حلقہ لاہور سے کیا گیا جہاں ۱۴، ۱۵، ۱۶ نومبر کو روزانہ بعد نماز مغرب جنرل صاحب نے معاونین تحریک سے خصوصی ملاقاتیں کیں۔ لاہور میں یہ پروگرام دو مقامات پر رکھا گیا تھا تاکہ معاونین کو ملاقات کے لئے زیادہ فاصلہ نہ طے کرنا پڑے۔ ۱۴، ۱۵ نومبر کو مرکز تحریک ۴۔اے مزنگ روڈ پر اور ۱۶/ نومبر کو قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن میں ان ملاقاتوں میں ذاتی ملاقات و تعارف کے ساتھ ساتھ محترم جنرل صاحب نے معاونین سے ان کی تحریک میں دلچسپی، تحریکی سرگرمیوں میں رکاوٹوں اور ان کو دور کرنے کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔ حلقہ لاہور کے ناظم مرزا ایوب بیگ صاحب بھی ان ملاقاتوں کے دوران جنرل صاحب کے ساتھ موجود رہے۔

۱۷، ۱۸، ۱۹/ نومبر کو جنرل صاحب نے حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن میں شامل تین شہروں سیالکوٹ، گوجرانوالہ اور گجرات میں معاونین سے ملاقاتیں کیں۔ اس دورے میں حلقے کے ناظم محمد اشرف ڈھلوں اور سیکرٹری مرزا ندیم بیگ جنرل صاحب کے ہمراہ رہے۔

۲۰/ نومبر کو جنرل صاحب جہلم تشریف لے گئے جہاں حلقہ راولپنڈی ڈویژن کے ناظم جناب شمس الحق اعوان صاحب نے ان کا استقبال کیا۔ بعد دوپہر مقامی معاونین سے تعارفی نشستیں ہوئیں جن میں جنرل صاحب نے معاونین سے انفرادی طور پر ملاقات اور تبادلہ خیال کیا۔ ۲۱/ نومبر کو جنرل صاحب ناظم تحریک کے ہمراہ راولپنڈی تشریف لے آئے۔ یہاں حسب پروگرام معاونین سے خصوصی ملاقاتوں کے علاوہ بعض اہم شخصیات سے بھی ملاقاتیں ہوئیں جن میں فرینڈز آف پاکستان کے سربراہ جنرل مرزا اسلم بیگ اور آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل حمید گل شامل ہیں۔ اگلے روز یعنی ۲۲/ نومبر کو بھی راولپنڈی/اسلام آباد میں معاونین تحریک اور دیگر سرکردہ افراد سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔

۲۳/ نومبر کو جنرل صاحب نے پروگرام کے مطابق ایبٹ آباد کا دورہ کیا اور معاونین تحریک سے تعارف اور تحریکی امور پر تبادلہ خیال کیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر جنرل صاحب آزاد کشمیر روانہ ہو گئے۔ ۲۴/ نومبر کو ناظم حلقہ آزاد کشمیر جناب محمد اکرم صاحب نے مظفر آباد میں جنرل صاحب کا استقبال کیا۔ آزاد کشمیر میں سہ روزہ قیام کے دوران جنرل صاحب نے مظفر آباد، جیسوا بازار، دھیر کوٹ اور رنگلہ میں معاونین سے تعارفی نشستوں میں ملاقاتیں کیں۔ مظفر آباد میں جنرل صاحب وہاں کی معروف سماجی شخصیت جناب نور الزمان قریشی صاحب کے ہاں مہمان رہے جنہوں نے تحریک خلافت کو آزاد کشمیر کی سطح پر متعارف کروانے میں بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ مظفر آباد میں جنرل صاحب کی ملاقات آزاد کشمیر سے واپسی پر مری سے کچھ پہلے بیروٹ کے مقام پر بھی مقامی معاونین کے ساتھ ایک تعارفی نشست ہوئی۔

۲۷/ نومبر کو محترم جنرل صاحب دس روزہ دورہ کے بعد واپس لاہور تشریف لائے۔ دورے کے تاثرات بیان کرتے ہوئے جنرل صاحب نے فرمایا کہ یہ دورہ مجموعی طور پر بہت مفید رہا خاص طور پر ذاتی سطح پر ملاقاتوں کے بہت اچھے اثرات سامنے آئے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اس رابطہ معاونین مہم کے دوران معاونین تحریک اور ہمارے ذمہ دار ساتھیوں کو اپنی کوتاہیوں کا احساس ہوا ہے اور تحریک خلافت کو متعارف کروانے کے لئے ایک جذبہ تازہ بھی حاصل ہوا ہے۔ جنرل صاحب نے توقع ظاہر کی کہ اس دورے کے ان شاء اللہ بہت مفید اور مثبت نتائج سامنے آئیں گے۔

جنرل صاحب نے اپنے دورے کے دوران مختلف شعبہ ہائے زندگی کے ارباب علم و دانش سے بھی ملاقاتیں کیں۔ ان ملاقاتوں میں جنرل صاحب نے دیگر ملکی و بین الاقوامی مسائل کے علاوہ پاکستان کے مخصوص حالات میں نظام خلافت کی ضرورت و اہمیت کو بھی ان کے سامنے واضح کیا۔ سب حضرات نے نظام خلافت کی ضرورت و اہمیت اور اس کی برکات سے اتفاق کیا لیکن بعض حضرات نے نظام خلافت کے سیاسی نظام سے اختلاف بھی کیا۔

رابطہ معاونین مہم ابھی جاری ہے۔ محترم جنرل صاحب اس سلسلے میں صوبہ سرحد کے دورہ پر ہیں۔ اس دورہ کی تفصیلات آئندہ شمارہ میں شائع ہوں گی۔OO

آزاد کشمیر میں ناظم اعلیٰ کی مصروفیات

وقائع نگار

حسب پروگرام تحریک خلافت کے ناظم اعلیٰ جنرل ریٹائرڈ ایچ ایم انصاری کو مورخہ ۲۶/ نومبر بروز جمعہ المبارک صبح ۱۰ بجے دفتر تنظیم اسلامی و تحریک خلافت

(باقی اندرونی سرورق کے دوسری جانب)

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

○

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

جلد ۲ شمارہ ۴۹
۱۳/ دسمبر ۱۹۹۳ء

22

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

○

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
مرکزی دفتر: ۶۷۔اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

○

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ، لاہور

○

قیمت فی پرچہ: -/۵ روپے
سالانہ زرِ تعاون (اندرون پاکستان) -/۱۰۰ روپے

○

زرِ تعاون برائے بیرونِ پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۰ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۸ " "
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۱۲ " "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۱۷ " "

ایڈیٹر کے ڈیسک سے

کراچی میں داعی تحریک خلافت پاکستان' جناب ڈاکٹر اسرار احمد کے خطبات خلافت اپنی افادیت کے اعتبار سے بہت گراں بہا ثابت ہوئے۔ ان پر ایک ریویو تاثر رفیق محترم جناب نجیب صدیقی نے ارسال فرمایا جس کا مطالعہ ان شاء اللہ آپ کے شوق کو بھی مہمیز دے گا۔ ان دنوں راولپنڈی میں ان خطبات کا سلسلہ جاری ہے اور زیرِ نظر شمارے میں پشاور اور لاہور کے مجوزہ پروگراموں کی اطلاع بھی شائع ہو رہی ہے۔ جہاں بھی آپ سہولت کے ساتھ پہنچ سکتے ہوں' ضرور پہنچئے اور علم و عرفان کے اس رواں چشمے سے استفادہ کیجئے۔ نظامِ خلافت کے بارے میں آپ کے قلب و ذہن کو زیادہ سے زیادہ روشن اور صاف ہونا چاہئے تبھی آپ اس کے شعور و آگہی کو عام کر سکتے ہیں۔ "ندائے خلافت" میں خطبات خلافت کے اس سلسلے کے اختتام پر داعی تحریک کے لیکچروں کی تلخیص تو دے ہی دی جائے گی لیکن انہیں پوری تفصیل سے خود ان کی زبانی سننے کی بات اور ہے۔

قاضی حسین احمد صاحب کے پاکستان اسلامی فرنٹ کو ضمنی انتخابات میں صوبہ سرحد سے قومی اسمبلی کی وہ نشست بھی نہ مل سکی جس پر پہلے قاضی صاحب خود امیدوار تھے۔ اکتوبر ۹۳ء کی فیصلہ کن ہزیمت کے بعد انہوں نے اپنے اعزاز میں کسی اضافے کی ضرورت محسوس نہ کی اور وہاں سے مولانا گوہر رحمان کو کھڑا کر دیا جنہیں جماعت اسلامی کے ووٹ بینک کی پوری تائید حاصل تھی۔ وہاں مسلم لیگ نواز گروپ کا وہ تعاون بھی حاصل ہو گیا جسے کلید کامیابی سمجھا جاتا رہا ہے اور پھر بھی کوئی کمی تھی تو وہ اے این پی کی پشت پناہی نے پوری کر دی۔ بیگم نسیم ولی خاں بنفسِ نفیس جلسوں میں جا کر مولانا گوہر رحمان کے لئے ووٹ مانگتی رہی ہیں لیکن اس سب کے باوجود نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ نواز شریف صاحب پر جماعت اسلامی کی فردِ جرم میں یہ الزام بھی شامل تھا کہ انہوں نے اے این پی جیسی سیکولر جماعت کو سینے سے لگا کر رکھا جو پاکستان کی 'نظریہ پاکستان کی اور جہادِ افغانستان کی مخالف تھی اور اب تک ہے۔ یہ جرم انتخابی مصلحت کے تحت خود جماعت سے سرزد ہوا تو یقیناً "حکمت عملی" سمجھا گیا ہو گا۔ نواز شریف کے نامہ اعمال کی تیرگی قاضی صاحب کی زلف میں پہنچ کر حسن کہلائی لیکن اس بندگی میں بھی جماعت کا بھلا نہ ہوا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!

افسوس کہ اس دفعہ "دانش نورانی" پرچے میں شامل نہ ہو سکا۔ معذرت قبول فرمائیے۔

ڈاک خرچ میں بے تحاشا اضافے کی وجہ سے "ندائے خلافت" کے صرف بیرونی ممالک سے سالانہ زرِ تعاون میں ناگزیر اضافہ زیرِ تجویز ہے۔ اس کی تفصیل آئندہ عرض کر دی جائے گی۔

بقیہ حدیث امروز

انہیں "دوست" جان کر کچھ زیادہ باخبر ضرور رکھا گیا تھا۔ اس پس منظر میں نواز شریف صاحب اگر بے نظیر صاحبہ کو الزام دیں اور وہ اس الزام کو نواز شریف صاحب کی طرف لوٹا دیں تو جگ ہنسائی کا سامان ضرور ہو گا' کسی خیر کے برآمد ہونے کا کوئی امکان نہیں۔

کیا یہ ممکن نہیں رہا کہ دونوں فریق اپنے باقی سب اختلافات کو برقرار رکھتے ہوئے اور آپس کی سیاسی جنگ کو بدستور گرم رکھتے ہوئے بھی کم از کم ان دو مسائل کو قومی تناظر میں دیکھنا شروع کر دیں اور مل بیٹھ کر غور کریں کہ ملک کا مفاد ان معاملات پر کس موقف کا متقاضی ہے کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک متفقہ لائحہ عمل ہی ملک و قوم کے مفاد میں ہو گا اور اسی کو قبولِ عام بھی حاصل ہو گا۔ وقت تیزی سے گزر رہا ہے اور ہمیں اپنا مرغ دست آموز بنانے کی خواہش رکھنے والے ہر آن اپنی حکمت عملی میں نئے سے نئے داؤ پیچ کا اضافہ کر رہے ہیں۔ خود ہم اسی سیاسی مہم جوئی میں مشغول رہے تو عزیزو! پھر اللہ ہی اللہ ہے۔ ○○

یہ ملک کسی نئے ایجی ٹیشن کا متحمل نہ ہوگا

نواز شریف کچھ صبر اور انتظار نہیں کر سکتے؟

جو قوتیں بے نظیر کی پشت پناہ ہیں انہیں یہ اکھاڑ پچھاڑ فی الحال منظور نہیں

عبدالکریم عابد

پاکستان کا سیاسی مسئلہ انتخابات سے بھی حل نہیں ہوا کیونکہ الیکشن ہارنے والوں نے ہمیشہ دھاندلی کا الزام لگایا اور الیکشن کے نتیجے میں آنے والی حکومتیں اپنی میعاد پوری کئے بغیر غیر جمہوری انداز سے رخصت کی گئیں۔ ۷۰ء کے الیکشن نے ملک کو دو لخت کیا' ۷۷ء کے الیکشن کا نتیجہ بھٹو کی پھانسی اور ضیاء الحق کی فوجی آمریت تھا' ۸۵ء کے الیکشن کی اسمبلی توڑ دی گئی اور وزیر اعظم جونیجو نکال باہر کئے گئے' پھر بے نظیر صاحبہ کی جمہوریت آئی مگر اسے بھی مقتل میں پہنچا دیا گیا۔ نواز شریف الیکشن میں دو تہائی اکثریت لے کر ابھرے لیکن وہ بھی اپنی میعاد پوری نہیں کر سکے۔ اب بے نظیر صاحبہ دوبارہ آئی ہیں تو امریکہ ان کے ساتھ ہے اور فوج کے سربراہان بھی ان کی پشت پر ہیں مگر کیا وہ اقتدار پر برقرار رہ سکیں گی یا انہیں بھی ایک نئے ہنگامے کے شور و غل میں وقت سے پہلے جانا ہوگا؟

اصولی طور پر تو ایک بات یہ کہی جا سکتی ہے کہ اقتدار کے اول بدل کا روایتی کھیل نہ پہلے ملک کے مفاد میں تھا نہ اب ملک کے مفاد میں ہوگا۔ اس طرح ملک کو تماشا بنانے سے سیاسی اور اقتصادی استحکام غارت ہو چکا ہے اور محاذ آرائی کا طوفان برپا کرنا ملک کی بنیادوں کو مزید ہلانا ہوگا۔ لیکن سیاسی جماعتوں میں محاذ آرائی کا زہر اس قدر سرایت کر گیا ہے کہ کوئی بھی نچلا نہیں بیٹھے گا۔ اگرچہ بے نظیر صاحبہ دعوت مفاہمت دیتی نظر آ رہی ہیں لیکن ان کے اس دعویٰ کو مخالف حلقوں میں ایک جھوٹ قرار دیا جا رہا ہے کہ وہ بنیادی طور پر مفاہمت پسند شخصیت ہیں اور محاذ آرائی کا میلان نہیں رکھتی ہیں۔ مخالف حلقے کہتے ہیں کہ جب نواز شریف حکمران تھے تو محترمہ کا مفاہمت کا مزاج کیوں نظر نہیں آیا اگر اس وقت ان کے لئے مخاصمت جائز تھی آج ہمارے لئے کیوں حرام ہے؟۔ جو کچھ آپ نے ہمارے لئے کل روا رکھا تھا وہ اب ہم آپ کے لئے کیوں ناروا سمجھیں؟ اس بنا پر اطلاع یہ ہے کہ نواز لیگ نے ایک ملک گیر ایجی ٹیشن کے لئے تیاریاں شروع کر دی ہیں۔

ایجی ٹیشن کی یہ تحریک ایٹم بم اور کشمیر کے عنوان سے ہوگی جس کے لئے بے نظیر صاحبہ کے پرانے انٹرویو پڑھانے سنانے اور دکھانے کے لئے جمع کئے جا رہے ہیں۔ ان کے ذریعہ ثابت کیا جائے گا کہ وہ پاکستان میں بھارت کی آواز ہیں۔ نواز لیگ کو ایک مشکل یہ ہے کہ کسی ایجی ٹیشن کے لئے اسے دینی جماعتوں کی تائید حاصل نہیں ہو رہی ہے۔ ان جماعتوں کا موقف یہ ہے کہ حکومت کو اپنی میعاد پوری کرنے کا حق دینا چاہئے تاہم نواز لیگ کو یقین ہے کہ اگر ایجی ٹیشن ہوگا تو ان جماعتوں سے متاثرہ افراد بھی ایجی ٹیشن میں خود بخود شامل ہو جائیں گے اور اپنے رہنماؤں کی پروا نہیں کریں گے جس طرح انہوں نے دینی جماعتوں کی مخالفت کے باوجود نواز شریف کو ووٹ دیا ہے' ایسے ہی وہ ایجی ٹیشن کے وقت ایجی ٹیشن میں بھی شامل ہو جائیں گے۔ نواز لیگ البتہ یہ انتظام کر رہی ہے کہ مساجد کے خطیبوں کو قابو میں کرے جو نماز جمعہ کے خطبوں میں عورت کی حکمرانی اور بھارت و امریکہ سے بے نظیر حکومت کے ساز باز پر جوشیلے انداز میں اظہار خیال کریں۔

ذرائع ابلاغ میں پہلے ہی نواز شریف کے حامیوں کا پلڑا بھاری ہے اور اخباری مہم پر بھی خاص توجہ مرکوز کی جائے گی۔ یہ فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے کہ مسلم لیگ کو گلی محلہ کی سطح تک منظم کیا جائے۔ اور یہ تنظیم تو ایجی ٹیشن کے نقطہ نظر سے ہوگی اور ایجی ٹیشنل صلاحیت کے لوگوں کو آگے رکھا جائے گا۔ دوسری طرف حکومت کے طرز عمل کا جائزہ لیا جائے تو وہ بھی اپنی جنگ کے لئے زبردست تیاریوں میں لگی ہے۔ بیوروکریسی میں تبادلوں اور اکاڑ پچھاڑ کا سلسلہ بڑے پیمانے پر ہے پیپلز پارٹی سے زیادہ اس کی حلیف جماعت جونیجو لیگ مخاصمت کے زہر میں بجھی نظر آتی ہے اور پنجاب کی حکومت پر قابض ہونے کے بعد ضمنی انتخابات میں جو کچھ ہوا ہے اس پر قابض ہونے کے بعد ضمنی انتخابات میں جو کچھ ہوا ہے اس پر "دی نیوز" کے رپورٹر کا کہنا ہے کہ ۷۷ء کی یاد تازہ کر دی گئی ہے اور حکمران اتحاد کے امیدواروں نے اپنی حرکات کے ذریعہ اپنی حکومت کی خدمت نہیں کی ہے اس کے امیج کو خراب کیا ہے اور نواز لیگ کو عوامی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے موقع فراہم کر دیا

ہے۔

ویسے تو ضمنی انتخابات کا نتیجہ اس اعتبار سے ٹھیک ہے کہ جہاں جس پارٹی کے کامیاب امیدوار نے میدان خالی کیا تھا' وہاں اسی کے امیدوار نے میدان جیتا ہے۔ مگر لاہور کی شہری نشستوں کو نواز لیگ سے چھیننے کی کوشش میں پکڑ دھکڑ کی گئی اور مسلح جتھے میدان میں آگئے دوسری طرف بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دینے والے موجود تھے اور اس سے محاذ آرائی کو نئی طاقت حاصل ہوئی ہے۔ پیر پگاڑا تو پہلے ہی مارچ میں نئے مارچ کی خبر دے رہے ہیں مگر نواز لیگ کے ذمہ دار حضرات بھی وثوق سے کہہ رہے ہیں کہ بے نظیر اقتدار کا خاتمہ مہینوں کی بات ہے مگر کیا ان کا یہ خیال صحیح ہے؟ ایک بات نواز لیگ کو نہیں بھولنی چاہئے کہ ماضی کے تمام ایجی ٹیشن میں امریکہ اور فوجی جنرلوں کا خفیہ ہاتھ تھا۔ ایوب خان کے خلاف تحریک کو فوجی سربراہ یحییٰ خان اور ان کے ساتھیوں کی آشیرباد حاصل تھی۔ پی این اے ایجی ٹیشن کے پیچھے بھی امریکہ اور فوجی جنرل تھے۔ جب غلام اسحاق نے بے نظیر کا خاتمہ کیا تو نواز شریف اسٹیبلشمنٹ اور خفیہ ایجنسیوں کے آدمی تھے اور بے نظیر صاحب نے لانگ مارچ کا کھیل بھی صدر اسحاق اور پس پردہ قوتوں کی شہ پر کیا تھا مگر اب صورت حال مختلف ہے۔

آج امریکہ بے نظیر حکومت کی پشت پر کامل یکسوئی کے ساتھ موجود ہے۔ فوج کی قیادت امریکہ سے اپنے معاملات ٹھیک کرنا چاہتی ہے اور اسکے لئے وہ امریکہ کی پسندیدہ قیادت کو لے آئی ہے اور اس کی محافظ ہے۔ یہ بے نظیر حکومت پر نظر بد ڈالنے والوں کے ساتھ نہیں ہوگی اور ضرورت ہوگی تو انہیں کچلنے سے بھی دریغ نہیں کرے گی۔ اس لئے یہ پہلے کے سے مصنوعی ایجی ٹیشن کا منظر نہیں ہوگا اور حقیقی ایجی ٹیشن کی قوت نواز شریف میں کتنی ہے' یہ انہیں خود سوچ لینا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے آپ کو کسی مہم جوئی کی نذر کردیں۔ نواز شریف عوام کے ووٹ سے ابھرے ہیں' ان کی قیادت کا بقا اور ارتقا ملکی اور جمہوری مفاد میں ہے لیکن وہ جوا کھیل کر اپنے آپ کو داؤ پر نہ لگائیں بلکہ حساب و کتاب کے ساتھ آگے بڑھیں۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ وہ اقتدار چھن جانے کے صدمے کے نفسیاتی اثر سے باہر آکر سوچیں اور انتقامی رو میں بہ نہ جائیں۔ انہیں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ ان کی ناکامی تو خیر الیہ ہوگی لیکن ایجی ٹیشن کی کامیابی بھی کن حالات کو پیدا کرے گی؟ کیا ایک نیا مارشل لاء نہیں آئے گا کیا اسٹیبلشمنٹ کی گرفت ٹوٹ جانے سے بہت سی ناپسندیدہ قوتیں اودھم بازی کے لئے میدان میں آئیں گی تو انہیں قابو کیا جاسکے گا؟ کیا بیرونی دنیا سے معاملات اچانک گڑبڑ تو نہیں ہوجائیں گے؟ یہ سب سوچے بغیر ایجی ٹیشن کی راہ پر جانا اپنے لئے اور ملک و قوم کے لئے نیا خطرہ پیدا کرنا ہے۔

دوسری طرف بے نظیر حکومت کو سوچنا چاہئے کہ وہ محض مفاہمت کا ڈھونگ رچانا چاہتی ہے یا حقیقی مفاہمت چاہتی ہے۔ اگر حقیقی مفاہمت کی طلب ہے تو اسے سنجیدگی سے نواز شریف کی قوت کو اپنے برابر کی طاقت تسلیم کرنا' اور اسے اس کی طاقت کے مطابق حصہ دینا ہوگا۔ آخر پنجاب میں میاں نواز شریف ایک مسلمہ قوت ہیں' لوٹوں کی حکومت مسلط کرنے سے کون سی مفاہمت پیدا ہوگی؟۔ جو نواز شریف کا حق ہے وہ اگر محترمہ انہیں دینا نہیں چاہتی ہیں تو مفاہمت کی بات کو جعلسازی سمجھا جائے گا۔

بہتر بات یہ ہے کہ پنجاب میں جنگ بندی کے لئے گورنر اور وزیر اعلیٰ ایسے ہوں جو کسی محاذ آرائی میں فریق نہ ہوں سندھ میں بھی جہاں پیپلز پارٹی نے ایم کیو ایم سے معاہدہ کیا ہے' اسے اپنا شریک اقتدار بنائے بغیر ٹکراؤ کے حالات بڑھتے رہیں گے۔ اگر ان دو بڑے گروپوں میں محاذ آرائی کے حالات کی جڑ ختم کرنے کی کوشش ہو تو اس کے ساتھ بے نظیر صاحبہ کی دعوت مفاہمت مفید ہوگی لیکن ان کے پاس اپوزیشن کو دینے کے لئے کچھ نہیں ہے اور مفاہمت کی دعوت خالی ہاتھ سے دے رہی ہیں تو اس دعوت کی پذیرائی مشکل ہے۔ خاص طور پر جبکہ معاندانہ جذبات کا بازار گرم ہے۔ صدر فاروق لغاری مفاہمت کے دل سے خواہشمند معلوم ہوتے ہیں' وہ اس ضمن میں کچھ کرنا بھی چاہتے ہیں مگر بنیادی بات یہی ہے کہ سودا نقد ہونا چاہئے۔ حکومت ایک ہاتھ سے اپنے لئے مفاہمت لے تو دوسرے ہاتھ سے خیر سگالی ٹھوس اور محسوس شکل میں دی جائے محض زبانی جمع خرچ نہ ہو۔

ایک مسئلہ اور بھی ہمارے رہنماؤں اور دانشوروں کے سوچنے کا ہے کہ ہر وقت تمام باتوں کو چھوڑ کر خارجہ پالیسی کے موضوعات ہی گلی کوچوں میں بحث کا عنوان کیوں بنائے جاتے ہیں! بھٹو صاحب نے یہ سلسلہ شروع کیا تھا' اور اس کے بعد سے اب ہر ایک کی روش یہ ہے کہ وہ خارجہ پالیسی کے سوال پر قوم کے جذبات بھڑکا کر اقتدار میں آنا چاہتا ہے لیکن خارجہ امور اس گرم بازاری کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ اس کے لئے حزب اقتدار اور حزب اختلاف کو مل جل کر ایک قومی خارجہ پالیسی طے کرنی چاہئے اور بنیادی خارجہ مسائل میں اتفاق رائے سے اقدامات ہونے چاہئیں اور جو فریق حکومت میں نہیں ہے اس کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنی پاور پالیٹکس کے لئے امور خارجہ کے سوالات اور مسائل کا استحصال کرے۔

جہاں تک ایٹمی مسئلہ کا تعلق ہے' ہمارا ایٹمی پروگرام بے نظیر اور نواز شریف دونوں کی دسترس سے اوپر رہا ہے۔ یہ فوج نے بنایا اور اسی کے کنٹرول میں ہے۔ وہی اس کے متعلق بنیادی فیصلے کرتی ہے اور وہی جو فیصلہ چاہتی ہے کرے گی۔ اس موضوع پر جب سیاستدانوں کو اختیار ہی نہیں ہے تو وہ اس پر گفتگو کو گلیوں کوچوں تک کیوں لا رہے ہیں؟ ہمارے ملک میں برسہا برس سے ایک نظام چلا آرہا ہے' اس کے دو فریق تھے' ایک امریکہ دوسری فوج۔ انہوں نے آپس کے تعاون سے فوجی آمریتوں کو چلایا۔ لیکن پھر تعلقات باہمی میں نئے حالات کے سبب گڑبڑ ہوگئی۔ اب دونوں اپنے تعلقات نئے سرے سے نئی بنیادوں پر قائم کرنا چاہتے ہیں اس کے لئے فریقین کو وقت دیا جائے کہ دیکھیں وہ کیا نیا معاملہ کرتے ہیں اور یہ کس حد تک ملک کے لیے ناگزیر ہوتا ہے یا ملک کے مفاد میں ہوتا ہے۔ پریسلر ترمیم کی جگہ کون سا نیا قانون آتا ہے' صدر امریکہ اس نئے قانون کا پاکستان پر اطلاق کس طرح کرتے ہیں' کشمیر کے ضمن میں نئے فارمولے کیا آتے ہیں' پاک بھارت تعلقات کی کیا شکل بنتی ہے؟ ان امور کے سلسلے میں ابھی تیل اور تیل کی دھار دیکھنے کی ضرورت ہے۔

صبر اور ضبط کے ساتھ مثبت بنیاد پر لیگ کی تنظیم جدید کی جائے اور اس کی ہر سطح پر قیادت پیدا کی جائے۔ یہ کام کرنے سے پہلے اپنے آپ کو کسی ایجی ٹیشن میں جھونک دینے سے اگر اقتدار تبدیل بھی ہوگیا تو ملک کی کمزوریاں دور نہیں ہوگی' اور بڑھ جائے گی جس کے نتیجے میں بیرونی ملکی غلبہ اور استیلا بھی مزید بڑھ جائے گا۔ ○○

بے نظیر صاحبہ کی دعوت مفاہمت کو مخالف حلقے جھوٹ سمجھتے ہیں۔

کراچی کے خالق دینا ہال میں سات عشروں کے بعد ایک بار پھر خلافت کی اذان گونجی

دل سے نکلی' اثر کرتی باتیں

انجمن خدام القرآن سندھ کے زیر اہتمام چار بھرپور نشستوں کا احوال

نجیب صدیقی

آج دنیا کو ایک ایسے نظام کی ضرورت ہے جو ان کے انفرادی و اجتماعی مسائل کو خوش اسلوبی سے حل کرے یہ دنیا دو نظاموں کے تجربہ کے بعد زخم زخم ہوگئی ہے۔ اس کا پورا وجود مضمحل ہوگیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اسے ایسے نظام کی تلاش ہے جو اس کے زخموں پر مرہم رکھ سکے' اسے امن و سکون عطا فرمائے اور یوں سسکتی ہوئی انسانیت کو جینے کا حوصلہ ملے .... اسلام نے ایسا ہی نظام اس دنیا کو دیا تھا۔ اس نظام کے وارثوں نے اس پر نفسانیت اور خواہشات کے اتنے دبیز پردے ڈال دیئے کہ اس کا حسن چھپ گیا۔ وہ اس خزانے کے سانپ ثابت ہوئے' نہ خود اس سے مستفید ہوئے نہ دنیا کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا۔ یہ نظام جو "خلافت" کے نام سے پہچانا جاتا ہے' جب اس کا سورج ترکی میں غروب ہوا تو برصغیر کے مسلمان تڑپ اٹھے اور اس کو سہارا دینے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جس کی پاداش میں ان کے زعماء پر مقدمات قائم ہوئے۔ کراچی کی تاریخی جگہ "خالق دینا ہال" میں ان پر مقدمات چلائے گئے۔ محمد علی جوہر نے تڑپ کر کہا۔

ہم کو خود شوق شہادت ہے گواہی کیسی
فیصلہ کر بھی چکو مجرم اقراری کا

آج مورخہ ۲۲/ نومبر کو اسی تاریخی مقام یعنی خالق دینا ہال میں تحریک خلافت کا اجلاس ہو رہا ہے جسے داعی تحریک خلافت جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب "خطابات خلافت" کے نام سے خطبات کر رہے ہیں۔

آج خالق دینا ہال سوال کر رہا ہے کہ نصف صدی گزارنے کے بعد اب نیند سے بیدار ہوئے ہو؟۔ برصغیر کے بڑے بڑے لیڈر اپنے حقوق کی جنگ میں مصروف رہے' کسی نے سیاست کو اپنے قد بڑھانے کے لئے استعمال کیا' کسی نے فروعی مسائل کو اپنی جولانگاہ کے لئے منتخب کیا' الغرض اس طرف کسی نے توجہ نہیں کی۔ چشم تصور سے دیکھو' یہ وہی جگہ ہے جہاں اسلام کے متوالوں کو پابہ جولاہ لایا گیا تھا۔ سمندر پار کے فرنگیوں نے اپنے بوٹوں سے ان کی حریت فکر کو روندنا چاہا' وہ سراپا احتجاج بن کر کھڑے ہوگئے' ان کے دل و دماغ ترانہ حمد و درود سے سرشار تھے۔ ان کی نگاہ بلند' ہمت جوان اور دل شوق شہادت کے لئے مچل رہا تھا۔ انہوں نے ایک تاریخ رقم کی ہے۔ یہ تحریر ہماری ان دیواروں پر ثبت ہے' آنکھیں

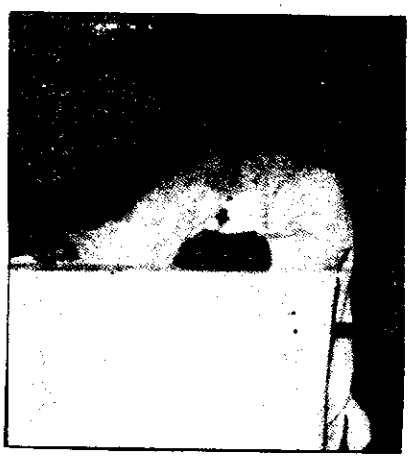

کھولو اور اسے پڑھو۔ اس سے تمہیں حوصلہ ملے گا' تمہارے اندر امنگ پیدا ہوگی' تمہیں راستے کے سنگ ہائے میل نظر آئیں گے۔ آج تم نے میرے آنسو پونچھے ہیں' تمہارے انتظار میں میرا دل دھڑک رہا تھا۔ تم آگئے' مجھے ایک گونہ چین آیا ہے۔ تمہارے انتظار میں میری آنکھیں پتھرائی تھیں' ان آنکھوں میں روشنی آتی نظر آرہی ہے۔ میں نے بہت پکارا' میری آواز کسی نے نہ سنی۔ تم جاگ گئے' آج تم میری آغوش میں ہو۔ آج مجھے کتنا سکون ہے' میں تمہیں کیسے دکھاؤں۔ کتنے قافلے آئے اور گزر گئے' کسی نے ان تحریروں کو نہیں پڑھا جو ان دیواروں پر لکھی تھیں۔ تم میری آرزو بن کر آئے ہو' تم میری امید بن کر آئے ہو۔

میں گوشہ دل میں سن رہا تھا۔ میری آنکھیں بھیگ گئیں' میں نے کہا' یہ بیداری ابھی پوری قوم کی بیداری نہیں یہ ان دیوانوں کی بیداری ہے جو تنظیم اسلامی کے نام سے عرصہ پندرہ سال سے اس نوع کی کوشش کر رہے تھے۔ جس کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ہیں۔ آپ نے عوام الناس تک اس دولت کو پہنچانے کے لئے تحریک خلافت کا عنوان اختیار کیا ہے کیونکہ خلافت کے نام سے ہر مسلمان واقف ہے۔ اس نام کے ساتھ ہی اس دور کی جھلک سامنے آجاتی ہے۔

اے خالق دینا ہال ہم بیدار ہو چکے ہیں۔ ہم نے تمہاری پکار سن لی ہے۔ تمہارے دور کو پہچان لیا ہے۔ تمہارے دل کی دھڑکن بن چکے ہیں۔ ہم اس جگہ پر اس عزم کو تازہ کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں' ہم اس مشن کی تکمیل میں اپنا سب کچھ لٹادیں گے' ہماری بھی یہی آرزو ہے' ہمارے اندر وہی امنگ ہے۔

بعض انتظامی امور کی وجہ سے اجلاس کی کارروائی تاخیر سے شروع ہوئی۔ جناب نسیم الدین صاحب جو سٹیج سیکرٹری تھے سامعین سے معذرت کی اور انہیں خوش آمدید کہا۔ انجمن خدام القرآن سندھ کے زیر اہتمام یہ اجلاس ہو رہا ہے۔ اس کے صدر جناب زین العابدین صاحب نے مختصراً اس کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔ قاری نعیم رضوان صاحب کو تلاوت کی دعوت دی گئی اور اس کا ترجمہ جناب نسیم الدین صاحب اسٹیج سیکرٹری نے کیا۔ اس کے بعد امیر محترم و داعی تحریک خلافت سامعین سے گویا ہوئے۔ آپ نے اس صدی کے حوالے سے اپنی بات شروع کی' یہ صدی حالات و حوادث کے انبار سے تمام صدیوں میں نمایاں ہے۔ اس صدی میں بڑے بڑے واقعات رونما ہوئے ہیں۔ اس صدی نے انسانیت کو

دو عظیم جنگیں دی ہیں جن میں کئی لاکھ افراد لقمہ اجل بنے ہیں۔ اس صدی میں دو عظیم سلطنتیں پارہ پارہ ہوئی ہیں۔ آج ہم سوچتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ ایسا کس طرح ہوگیا۔ اس صدی کے شروع میں خلافت اسلامیہ کا خاتمہ ہوا اور اس صدی کا آخر خلافت کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اپنی توانائیاں جمع کرنے میں مصروف ہے۔ اس صدی میں اسلامی تحریکیں اٹھی ہیں اور کچھ کرنے کا عزم بیدار ہوا ہے۔ اگرچہ بحیثیت مجموعی مسلمانوں پر اب بھی ذلت و مسکنت طاری ہے۔ عزت کا کوئی مقام انہیں حاصل نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی ابھرنے کا عمل بھی جاری ہے۔ آپ نے آنحضور ﷺ کی پیشینگوئیوں کا حوالہ دیا اور ان پانچ ادوار کی تفصیل بیان کی۔ یہ پانچواں دور خلافت علیٰ منہاج نبوت ہوگا۔ وہ وقت قریب آچکا ہے۔ کیا عجب ہے کہ یہ صدی جاتے جاتے ہمیں خلافت کا تحفہ دے جائے۔ ان ہونے واقعات جب معجزانہ طور پر ہوسکتے ہیں تو اللہ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں کہ ایسا ہوجائے۔ اس کے لئے محنت کی ضرورت ہے۔ خلافت کا تحفہ ایمان اور عمل صالح کے ساتھ مشروط ہے۔ اللہ نے پختہ وعدہ کیا ہے کہ تم یہ شرط پوری کرو ہم تمہیں زمین میں خلافت عطا کریں گے۔ ان پختہ وعدوں کے بعد بھی کمر ہمت نہ کسی گئی تو یہ بڑی ناشکری ہوگی۔ یہ بزدلی ہے' کم ہمتی ہے اور ایک مومن سے ایسی توقع نہیں کی جاسکتی۔

آج ۲۳/ نومبر ہے' عہد حاضر میں نظام خلافت کا سیاسی' دستوری' معاشی' اور معاشرتی خاکہ پر جو آج کا موضوع تھا گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: "مغرب نے عمرانی ترقی کی ہے جس سے سیاسی ادارے وجود میں آئے ہیں' جمہوریت آئی ہے' حقوق انسانی کا تصور ابھرا ہے۔ سارے تصورات خلافت راشدہ میں موجود تھے۔ ٹیکنالوجی اور سائنسی ترقی سب کا سب کفر نہیں ہے۔ اس کے صحیح کو ترک کردینا اتنا ہی بڑا جرم ہے جتنا اس کے غلط کو اختیار کرنا۔ جمہوری نظام خواہ وہ صدارتی ہو یا پارلیمانی اگر اس میں تین باتوں کو شامل کرلیا جائے تو وہ عین خلافت کا نظام ہوگا"۔

پہلی بات اللہ کی حاکمیت کا اقرار ہے۔ ہمارے پاس جو بھی اختیار ہے وہ اللہ کا عطا کردہ ہے۔ وہ اسی کی مرضی کے مطابق نافذ ہوگا۔ دوسری بات کتاب و سنت کی مکمل بالادستی۔ کوئی قانون کتاب و سنت کے خلاف نہیں بنے گا۔ تیسری بات وطنی قومیت نہیں ہوگی مسلم قومیت ہوگی۔ مغرب نے جو اقتصادی نظام رائج کیا ہے اس نظام سے اگر تین چیزیں نکال دی جاتیں تو وہ اسلامی بن جائے گا۔ پہلی چیز سود ہے دوسری چیز جوا اور سٹا ہے تیسری چیز جاگیرداری ہے۔ معاشرتی نظام کی تمام تفصیلات قرآن و سنت میں موجود ہیں۔ اس لئے کہ اس میدان میں جو بھی ارتقاء ہونا تھا وہ نزول قرآن تک مکمل ہوچکا تھا۔ اس نظام کی ابتداء ایک مرد اور ایک عورت کے باہمی رشتے سے ہوتی ہے۔ اس سے خاندان بنتا ہے۔ یہ خاندان باہم جتنا مربوط اور مضبوط ہوگا اتنا ہی معاشرہ مستحکم ہوگا۔

۲۴/ نومبر خطبات خلافت کا آج تیسرا اور آخری دن تھا' بات سمٹ کر آچکی تھی' خلافت اسلامی کے تمام خدوخال پر تفصیل سے گفتگو ہوچکی تھی اور موجودہ دور میں نئے حالات کے تقاضوں کے تحت اس کی تفصیلات بیان ہوچکی تھیں۔ اب بات وہاں آگئی تھی کہ یہ نظام قائم کس طرح ہوگا۔ یہی آج کا موضوع تھا۔

آپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قول کے حوالے سے فرمایا کہ یہ نظام دور اول میں جس طرح قائم ہوا تھا آخری دور میں بھی اسی طرح قائم ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ کی سیرت سے اخذ کردہ طریقہ کار کی آپ نے وضاحت فرمائی۔ اور کہا کہ وہ چھ مراحل ہیں جن سے گزر کر یہ نظام قائم ہوسکتا ہے۔ آج میں ان کو صرف تین مراحل میں بیان کرونگا تاکہ مختصر وقت میں بات مکمل ہوجائے۔

آپ نے قدرے تفصیل سے اس کی وضاحت کی۔ اس کے لئے ایک ایسی حزب اللہ کی ضرورت ہے جس کے افراد شعوری ایمان سے مالا مال ہوں۔ ہمارے معاشرے میں عوام کی اکثریت موروثی ایمان کی حامل ہے۔ موروثی ایمان عملی جدوجہد کے لئے قوت کار فراہم نہیں کرسکتا۔ شعوری ایمان قرآن مجید ہی کے ذریعہ حاصل ہوسکتا ہے۔ اس کے لئے معاشرے میں دعوت ایمان بالقرآن کا غلغلہ بلند کرنا ہوگا۔ جو لوگ اسے شعوری طور پر قبول کریں گے وہ اس مقصد کے لئے ایک حزب اللہ میں ایک امیر کے تحت بیعت سمع و طاعت کے ساتھ ایک طاقت بنیں گے۔ جب یہ طاقت معتدبہ تعداد میں وجود میں آجائے گی اور اس بات کا یقین ہوجائے گا کہ اب عملی اقدام کا وقت آگیا ہے تو یہ طاقت باطل نظام کو چیلنج کرے گی۔

تمدن کی ترقی نے ریاست اور حکومت کا جو تصور دیا ہے اس سے یہ جدوجہد نسبتاً آسان ہوگئی ہے۔ مگر کوئی انقلاب خون دئے بغیر نہیں آتا۔ یہ جدوجہد یہ جنگ یک طرفہ ہوگی۔ یک طرفہ قربانی کی صورت میں پہلے بھی انقلاب آچکا ہے اور اب بھی آسکتا ہے۔ ماضی قریب میں یہ صورت ایران میں ہوچکی ہے۔ آپ نے سامعین سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا۔ آپ نے ان تین دنوں میں بات کو اچھی طرح سمجھا ہے۔ میں نے دو اور دو چار کی طرح اس کی وضاحت کی ہے۔ اب بھی اگر کوئی اشکال باقی ہے تو وہ کل کی نشست میں سوال وجواب کی صورت میں آجائے گا۔ آپ جان لیجئے کہ آپ پر حجت قائم ہوچکی ہے۔ اگر یہ بات حق ہے اور آپ کا دل اس پر ٹھک گیا ہے تو بسم اللہ کیجئے قدم بڑھایئے اس جدوجہد میں عملی شرکت فرمایئے۔ حق کو جو حق نہ کہہ سکے وہ گونگا شیطان ہے۔ حق جان کر کمربستہ نہ ہونا بزدلی کی علامت ہے۔ اس زندگی کو بہرحال ختم ہونا ہے آخرت آکر رہے گی۔ آخرت میں وہی کامیاب ہونگے جنہوں نے اس دنیا میں حق کے لئے جدوجہد کی ہے۔

۲۵/ نومبر: اعلان کے مطابق آج سوال وجواب کی نشست ہے۔ منتظمین نے یہ خیال کیا تھا کہ آج حاضری کم ہوگی لہٰذا کچھ کرسیاں ہٹادی گئی تھیں۔ مگر پروگرام شروع ہوتے ہی ہال پھر اسی طرح سے بھر گیا اور جگہ کم پڑنے لگی اور توقع سے کہیں زیادہ افراد وقت پر پہنچ گئے تھے۔ وسیع اسٹیج پر لوگوں کو بٹھایا گیا۔ فرشی نشست کا منظر بھی خوب تھا۔ اس سے لوگوں کے ذوق و شوق کا پتہ چلتا ہے۔ سوالات بھی اتنی تعداد میں آئے جو دو گھنٹے میں نمٹائے نہ جاسکے۔ سامعین کی اس دلچسپی کو دیکھا جائے تو گمان ہوتا ہے کہ پکارنے کی دیر تھی لبیک کہنے والے کشاں کشاں آپہنچے۔ لیکن ہمارا قومی مزاج ایسا ہے کہ ہم بحیثیت قوم عملی اقدام سے گریزاں رہتے ہیں۔ ذوق و شوق سے سنتے ہیں دوران تقریر سراہا کر تائیدی انداز اختیار کرتے ہیں۔ مقرر کے جملے جب چہروں پر ارتعاش پیدا کرتے ہیں تو مقرر کو بھی گمان ہوتا ہے کہ بات دل تک اتر رہی ہے۔ مگر جب ان سے عمل کا مطالبہ ہوتا ہے تو وہ حضرت موسیٰؑ کی امت کا رول ادا کرتے ہیں اور اس طرح اس حدیث کی توثیق ہوتی ہے کہ میری امت بھی بنی اسرائیل کے نقش قدم پر چلے گی جس طرح ایک جوتا دوسرے کے مشابہ ہوتا ہے۔

اس بھرپور نشست کے بعد کل یعنی ۲۶/ نومبر خطبہ جمعہ کا اعلان ہوا کہ امیر محترم وہاں بھی "دینی

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

میاں طفیل محمد صاحب کے نام مولانا وصی مظہر ندوی کا مکتوب

کیا ہدف نظام حکومت کی "اصلاح" ہی تھا؟

مولانا سید وصی مظہر ندوی مدظلہ کا شمار جماعت اسلامی کے زعما میں ہوتا تھا۔ اور اس اعتبار سے اقامت دین اور نظام اسلامی کا قیام ان کا بھی ہدف اولین رہا ہے۔ اگرچہ انہیں جماعت چھوڑے اب برس ہا برس بیت چکے ہیں۔ ان کا یہ زیر نظر خط جو محترم میاں طفیل محمد سابق امیر جماعت اسلامی کے نام ہے' ہفت روزہ زندگی کے ۱۹ نومبر ۹۳ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ اس میں آپ ملاحظہ فرمائیں کہ وقت کے ساتھ ساتھ کس طرح اہداف میں تبدیلی آجاتی ہے۔ مولانا نے چار نکاتی پروگرام میں جو تھا نکتہ "اصلاح نظام حکومت" قرار دیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہی نکتہ قابل توجہ بلکہ اصلاح طلب ہے۔ اس لئے کہ اصلاح تو اس نظام کی کی جاتی ہے جو بنیادی طور پر درست ہو اور محض کوئی جزوی خرابی اس میں در آئی ہو۔ اگر یہ صورت ہو تو نظام کو چلانے والے ہاتھ بدلنے سے اس کی اصلاح ممکن ہوتی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارا تو پورا نظام ہی باطل ہے۔ بدترین جاگیرداری اور سودی معیشت اس نظام کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہیں۔ محض جزوی اصلاح سے یہ نظام ہرگز درست نہیں ہو سکتا' اس باطل نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی ضرورت ہے!! ....(ادارہ)

محترم جناب میاں صاحب! السلام علیکم ورحمتہ اللہ

جناب مجیب الرحمٰن شامی کے نام آپ کے تازہ انتہائی فکر انگیز مکتوب کو پڑھ کر یہ چند سطور آپ کی خدمت میں لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔

اقامت دین کے فریضہ کی ادائیگی کیلئے جماعت اسلامی کا چار نکاتی پروگرام انتہائی جامع منطقی اور دین کے حکیمانہ فہم پر مبنی ہے۔ چنانچہ

(۱) تطہیر و تعمیر فکر (۲) اصلاح معاشرہ
(۳) تنظیم و تربیت (۴) اصلاح نظام حکومت

اس لائحہ عمل کا ہر بعد والا جزو اگرچہ پہلے والے جزو پر مبنی اور اس سے تقویت حاصل کرتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کسی بعد والے جزو پر عمل درآمد اس وقت تک مؤخر رکھا جائے جب تک پہلے والے جزو پر کام مکمل نہ کر لیا جائے۔ بلکہ تنظیم کی سرگرمی کا پروگرام اس طرح ترتیب دینا چاہئے کہ اس سے چاروں اجزاء پر عمل بیک وقت جاری رہے خواہ کسی خاص جزو میں ان سرگرمیوں کے نتائج تاخیر سے ظاہر ہوں۔ جس طرح وقت' تاریخ اور ماہ و سال بتانے والی گھڑی کے ایک ہی لیور کی حرکت سے ڈائل پر نتائج ظاہر کرنے والا ہر نشان اپنا اپنا کام کرتا رہتا ہے اگرچہ سیکنڈ کی تبدیلی فوری نظر آتی ہے پھر منٹ کی' پھر گھنٹے اور تاریخ اور ماہ و سال کی تبدیلیاں اپنے اپنے وقت پر ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ امیر جماعت اسلامی نے قیام پاکستان کے فوراً بعد پاکستان کے دستور کو اسلامی بنانے کیلئے چار نکاتی مطالبہ کی صورت میں جدوجہد کا جو بروقت فیصلہ کیا تھا اس کی وجہ سے الحمدللہ اس ملک کی اساس اللہ کی حاکمیت اور اسلامی تعلیمات کی بالادستی پر قائم ہو گئی اور اس طرح جماعت اسلامی "مسلمانوں کی کافرانہ ریاست" سے تصادم کرنے کے خطرات سے محفوظ رہی جب کہ دنیا کے دوسرے مسلمان ملکوں میں اسلامی تحریکوں کو اسی مشکل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

دستور کی اسلامی بنیادوں ہی کی وجہ سے جماعت اسلامی کیلئے ممکن ہوا کہ وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق انتخابی جدوجہد کا عملی مظاہرہ کر کے اس باب میں بھی اسلامی تعلیمات کی حقانیت کے بارے میں حجت قائم کر سکے اور بتا سکے کہ ایک اسلامی ریاست میں انتخابات کا طریقہ کیا ہونا چاہئے۔

میری ناچیز رائے میں یہاں تک جو کچھ ہوا الحمدللہ بحیثیت مجموعی سب ٹھیک ہی ہوا۔ لیکن پھر انتخابی جدوجہد میں شرکت کے طبعی اور فطری اثرات نے جماعت اسلامی کی قوت فیصلہ کو غیر شعوری طور پر متاثر کرنا شروع کر دیا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ---

انتخابی جدوجہد میں شرکت کا لازمی فطری تقاضا یہ ہے کہ ووٹروں اور کارکنوں میں کامیابی کا یقین پیدا کیا جائے چنانچہ انتخابی مہم میں "آوے ہی آوے" کی رٹ اسی لئے لگائی جاتی ہے مگر اسلامی اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے اور محدود وسائل کے ساتھ انتخابات میں کامیابی بالخصوص اس بگڑے ہوئے معاشرے میں ناممکن سی بات تھی اس لئے ہر انتخابی مہم کے بعد جماعت اسلامی کے کارکنوں اور رہنماؤں میں مایوسی پیدا ہوئی اور قیمتاً انتخابات میں کامیابی کیلئے رائج غلط طور طریقوں کے ساتھ مصالحت اور مداہنت کا جذبہ مسلسل بڑھتا رہا۔

چنانچہ "ووٹر کے عہد نامے" اور "عوامی پنچائتیں" قائم کر کے انفرادی اور پارٹیوں کی امیدواری کے جس نظام کو رد کرنے کا تجربہ کیا گیا تھا اس کو پہلے ہی تجربہ کے بعد چھوڑ کر جماعتی ٹکٹ کے اس طریقے کو اختیار کر لیا گیا جو حزب اللہ یعنی مسلم معاشرے کو متحارب احزاب میں تقسیم کرنے کا سراسر غیر اسلامی طریقہ ہے۔

پھر اس بنیادی تبدیلی کے علاوہ ہر الیکشن میں انتخابی مہم میں تصاویر' نعروں' جلسوں اور جلوسوں میں غیر اسلامی طریقے اختیار کئے جاتے رہے اور شخصیت پرستی کے جراثیم بھی پروان چڑھتے رہے۔

بعد ازاں تو نوبت یہاں تک پہنچی کہ جعلی ووٹوں اور دیگر غلط طریقوں کو اپنانے والے کارکنوں کی طرف سے کم از کم "غض بصر" یا "سکوت اقراری" کا رویہ اختیار کیا گیا۔

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انتخابات میں کامیابی سے کوئی جماعت اسی وقت ہم کنار ہو سکتی ہے جب اس جماعت اور رائے دینے والے عوام کی

پسندوناپسند کامعیارایک ہو جائے اور دونوں ایک (Meeting Point) پر پہنچ جائیں چنانچہ اس عمل میں جہاں عوام کے شعور کی سطح کو بلند کر کے جماعت کے قریب لانے کی کوشش کی جاتی ہے وہاں جماعت کو بھی کسی نہ کسی حد تک نیچے اتر کر عوام کے قریب ہونا پڑتا ہے پھر کسی جماعت کو کامیابی کی جتنی جلدی ہوتی ہے وہ اسی جلدی کے مطابق عوام سے قریب ہونے کیلئے زیادہ تیزی سے پستی کی طرف جاتی ہے۔ چنانچہ پہلے جماعت جتنی دیر میں سوچ سوچ کر پستی کی طرف ایک زینہ اترتی ہے اتنی دیر میں عوام تین زینے پستی کی طرف پھلانگ جاتے ہیں مگر جناب قاضی صاحب نے پستی کی اس دوڑ میں عوام کو پیچھے سے جالیا۔ اگرچہ ہاتھ میں عوام کے لباس انحطاط کے صرف چند ٹکڑے ہی آسکے۔

محترم میاں صاحب! میں آج بھی آپ کو اپنے استاد کا درجہ دیتا ہوں۔ میں نے دار السلام پٹھان کوٹ میں جماعت اسلامی کا لٹریچر آپ سے سبقاً سبقاً پڑھا ہے لیکن انتہائی احترام کے باوجود میں یہ عرض کرنے کی جسارت کر رہا ہوں کہ ۱۹۵۱ء میں پنجاب کی صوبائی اسمبلی کے الیکشن کے بعد جماعت اسلامی نے جتنے الیکشنوں میں حصہ لیا ان میں انحطاط کا یہ عمل مسلسل جاری رہا۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس وقت جماعت کی رہنمائی آپ جیسے حضرات کے ہاتھوں میں تھی اس لئے انحطاط کا یہ عمل وہ تیز رفتاری نہ اختیار کر سکا جو اب ماشاء اللہ جناب قاضی حسین احمد صاحب کی رہنمائی کے دور میں اختیار کر چکا ہے۔

بہرحال اس تیز رفتار انحطاط کے دو نتائج نکل سکتے ہیں۔

(۱) جماعت اسلامی ایک اصولی اسلامی جماعت کی حیثیت سے بالکل ختم ہو جائے اور یکسوئی کے ساتھ ایک نسبتاً اچھی "مسلم لیگ" وجود میں آجائے اور پھر سو پچاس سال کے بعد کوئی اور "ہستی" مولانا مودودیؒ جیسی پیدا ہو اور وہ ایک نئی "تجدید واحیائے دین" لکھ کر بتائے کہ جماعت اسلامی کا خاتمہ اس کی کن غلطیوں کی وجہ سے ہوا۔ جس طرح مولانا مودودیؒ نے سابق مجددین اور اسلامی تحریکوں کی ناکامی کے اسباب واضح کئے ہیں۔

(۲) دوسرا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ جماعت اسلامی کے رہنماؤں اور کارکنوں کو جماعت کے خاتمے کے بھیانک نتائج کا عملی مشاہدہ کر لینے کے بعد اصل جماعت کو سرگرم عمل کرنے کی ضرورت کا شعور حاصل ہو جائے اور یہ شعور چند افراد سے بڑھ کر پوری جماعت کو اصلاح احوال کی جانب متوجہ کردے۔

الحمدللہ! جناب مجیب الرحمٰن شامی کے نام آپ کا مکتوب اس دوسرے نتیجے کی طرف جانے کی خواہش کا اظہار ہے۔

میری ناچیز رائے میں دونوں میں سے کوئی بھی نتیجہ نکلے وہ جماعت اسلامی کی اس گومگو پالیسی سے بہتر ہے۔ جس کے نتیجے میں جماعت اسلامی کا بتدریج انحطاط بھی ہوتا رہا اور جماعت کیلئے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کا بھی کوئی دروازہ نہ کھل سکا۔

اسلامک فرنٹ اگرچہ اس الیکشن میں بری طرح ناکام ہوا ہے مگر اس نے اپنے وجود کا تخم اس سرزمین میں ڈال دیا ہے اور وہ یقیناً آئندہ برگ وبار لا کر رہے گا۔ مگر شرط یہی ہے کہ پرانی جماعت اسلامی مکمل طور پر کھاد بن کر اس درخت کو پروان چڑھائے اور جماعت کے رہنماؤں اور کارکنوں کی بھاری اکثریت اس درخت کی آبیاری پر برضاورغبت تیار ہو جائے۔

اور اگر دوسرا نتیجہ نکلا تو یہ اسلام اور ملت مسلمہ کیلئے میری رائے میں انتہائی مبارک ہو گا چنانچہ اگر پرانی جماعت اسلامی اپنے چار نکاتی پروگرام کے ساتھ پھر سے سرگرم عمل ہو گئی تو خواہ ابتدا میں اس کے پھیلاؤ میں کمی آئے اور اس کا بہت سا آکاس اتر جائے لیکن باقی رہنے والی جماعت اسلامی بڑی طاقتور ہو گی اور اس کی مثال اس شجر طیبہ کی مانند ہو گی جس کی جڑیں اسلامی تعلیمات کی زمین میں مضبوط جمی ہوئی ہیں اور جس کی شاخیں آسمانوں کی وسعتوں تک پھیلی ہوئی ہیں اور جس کے شیریں اور صحت بخش پھل ہر موسم میں انسانیت کیلئے امرت کا کام دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تحریک اسلامی کو اس دوسرے نتیجے کی طرف واپس لے آئے باقی جو لوگ "اچھی مسلم لیگ" بنانے کے آرزو مند ہیں' راستہ ان کا بھی کھلا ہوا ہے۔ وہ چاہیں اسلام آباد کو اپنا مرکز بنا لیں یا پشاور کو اور جماعت اسلامی میں الیکشنوں' محاذوں اور پاسبان جیسی تنظیموں کی معرفت آنے والے جتنے لوگوں کو وہ اپنے ساتھ لے جا سکیں بیشک لے جائیں کہ اس سے جماعت اسلامی کو حقیقی قوت حاصل ہو گی' کوئی ضعف محسوس نہ ہو گا۔

بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے نتیجے میں جماعت اسلامی کے وہ پرانے متوسلین واپس جماعت کی طرف رجوع کریں جو جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے کے بعد یکہ وتنہا ہونے کے باوجود اب بھی معاشرے میں چھوٹے بڑے مؤثر کام کرنے میں مشغول ہیں۔

مخلص

وصی مظہرندوی

پتوکی میں تحریک کی سرگرمیاں

اصغر صدیقی

پتوکی میں خلافت کی نداء لگاتے ہوئے تقریباً ایک سال گزر چکا ہے۔ چند حضرات نے اس صدا پر لبیک کہا اور ہمارے معاون بنے۔ معاونین کی تربیت اور احباب کا تعلق قرآن سے جوڑنے کے لئے ہفتہ وار درس قرآن بذریعہ ویڈیو کا آغاز ۲۶ نومبر ۱۹۹۳ء سے ہوا ہے۔ ہمارے نئے معاون شیخ محمد اکرام صاحب کئی سابقون سے آگے نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو استقامت دے۔ انہوں نے اپنے مکان پر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے درس قرآن بذریعہ ویڈیو کا اہتمام کیا ہے۔ (یہ پروگرام ہر جمعہ کو مغرب سے ایک گھنٹہ قبل ہوا کرے گا) اپنے گھر میں موجود فلمی کیسٹس کو فوری طور پر درس قرآن میں تبدیل کرنا شروع کر دیا ہے۔

۲۳ نومبر کی شام شیخ محمد اکرام صاحب ڈاکٹر ضیاء رشید صاحب اور راقم احباب سے رابطے کے لئے نکلے تاکہ درس قرآن کے پروگرام سے آگاہ کیا جائے۔ الحمد للہ کافی لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ جناب ڈاکٹر ضیاء رشید صاحب کا دعوت دینے کا جوش وجذبہ قابل دید تھا۔

سود ایک کا' لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات

سعودی عرب میں مقیم ہمارے ایک محترم قاری' جناب عبدالودود خان نے ہمارے ایک مضمون نگار کی طرف سے بر سبیل تذکرہ لکھی گئی ایک غلطی پکڑی تھی جس میں سود کے مسئلے میں ممانعت کا شائبہ پیدا ہوتا تھا۔ اس کی نشاندہی میں ان کا خط کسی پچھلے شمارے میں شائع کیا گیا جس کا ایک مختصر سا جواب بھی ہماری طرف سے شامل تھا لیکن انہیں اطمینان حاصل نہ ہوا چنانچہ ایک اور مکتوب ان کی طرف سے موصول ہوا ہے جو نذر قارئین ہے۔ ہم ان کا مرسلہ وہ مواد بھی پیش کر رہے ہیں جو انگریزی زبان میں ہے۔ عبدالودود صاحب کی محنت قابل داد ہے اور ہم انہیں یقین دلانا چاہتے ہیں کہ سود کے لئے کسی بھی درجے میں کوئی نرم گوشہ ہم اپنے دل میں نہیں رکھتے ----- (ادارہ)۔OO

محترمی و مکرمی اقتدار احمد صاحب
مدیر "ندائے خلافت" لاہور

میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے میرا خط مورخہ ۲۸/ ستمبر ندائے خلافت کے یکم نومبر کے شمارہ میں شائع کر دیا ہے۔ ادارہ کے اضافی نوٹ سے میرے خط کی افادیت مجروح ہو گئی ہے لہٰذا مزید وضاحت کے طور پر عرض ہے کہ غیر سودی تجارتی قرض سے بھی عوام الناس کا بھلا ہو گا۔ کیونکہ قرض پر سود کی رقم اور اس پر مزید منافع اشیاء صرف کی قیمت میں شامل نہ ہونگے۔ اس لئے سود کی عدم موجودگی سے گرانی میں لازماً کمی ہو گی۔ اس بارے میں رسول کریم ﷺ کی حدیث مبارک (کہ جس قوم میں سود کا رواج عام ہو جائے اللہ تعالیٰ اس پر ضروریات کی گرانی مسلط کر دیتا ہے) دلیل قاطع ہے اور کسی مزید برہان و دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ مزید برآں اسلام نے سود کو بلا کسی توجیہ اور بلا نظام کی تخصیص کے مطلقاً حرام ٹھہرایا ہے۔ بے شک سود کے مضر اثرات کثیر ہیں جو علم الٰہی میں ہیں اور جن کا ہم کلی طور پر احاطہ نہیں کر سکتے اور جن میں سے ابھی تک ہم صرف چند کا ادراک بذریعہ حدیث اور عملی تجربات سے کر سکے ہیں مثلاً گرانی۔ بے روزگاری' ارتکاز' دولت۔ لالچ اور اخلاقی بے مروتی۔ لہٰذا جناب کے ایم اعظم کا یہ فقرہ "اسلام اس لئے سود کو حرام قرار دیتا ہے کہ دولت صرف چند ہاتھوں میں جمع نہ ہو" لازماً قابل تصحیح ہے۔ جہاں تک مروجہ استحصالی نظام کا تعلق ہے تو یہ بات قابل غور ہے کہ یہ نظام سود کی بنیاد پر قائم ہے۔ اس لئے سود کو ختم کئے بغیر استحصال کو روکا نہیں جا سکتا۔ اور استحصالی نظام کو ختم کرنے کے لئے سود کا خاتمہ ضروری ہے۔ اور گرانی اور بے روزگاری کو ختم کرنے کے لئے بھی سود کو ختم کرنا ہو گا۔ اس سلسلہ میں ایک مختصر لیکن جامع مضمون میں نے انگریزی میں لکھا ہے جو اس خط کے ہمراہ ارسال خدمت ہے۔ ازراہ کرم اس خط کو اور منسلک مضمون کو بھی "ندائے خلافت" میں شائع کرادیں اور اگر مناسب سمجھیں تو "میثاق" میں بھی۔ ان شاء اللہ قارئین مستفید ہوں گے۔

احقر
عبدالودود خان

مکتوب نگار کے مرسلہ اشارات و حوالہ جات

اسلام کے اخلاقی نظام میں فاضل سرمائے سے جو بڑھوتری ہوگی وہ بھی ربو قرار پائے گی۔ اس کا صحیح مصرف یہ ہے کہ اسے محتاجوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیا جائے وہ لوگ جن کے پاس کاروبار کی بنیاد ڈالنے کے لئے سرمایہ موجود نہیں انہیں سرمایہ فراہم کیا جائے تاکہ وہ رزق حلال باعزت طریقے سے حاصل کرنے کے قابل ہو سکیں۔ ان کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر ان کی محنت میں سے حصہ وصول کرنا گو قانونی طور پر جائز بھی ہو' اخلاقی اور روحانی سطح پر یہ ممنوعات کی فہرست میں شامل ہو گا۔ اس لئے اس فاضل سرمائے کا مصرف یہ ہونا چاہئے کہ ضرورت مندوں سے فائدہ اٹھائیں۔ اور اگر زیادہ نہیں تو انہیں یہ سرمایہ بطور قرض حسنہ ہی دیا جائے تاکہ وہ بھی اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں اور معاشرے میں صاحب عزت اور صاحب حیثیت بن سکیں۔ قرآن کی اخلاقی اور روحانی تعلیم کا یہی وہ نکتہ ہے جسے اپنا کر ایک جنتی معاشرہ تشکیل دیا جا سکتا ہے۔

(ڈاکٹر اسرار احمد کی کتاب "اسلام کا معاشی نظام" سے ایک اقتباس)

WHY INTEREST SHOULD BE ABOLISHED

1. Interest is a tool of exploitation. According to the tenets of Islam it is an unpardonable crime. Islam prohibits INTEREST in all its forms in the strictest terms so much so that the Holy Quran declares war from ALLAH and His Prophet (P.B.U.H) against those who indulge in it. In the relevant Quranic verse what is prohibited is 'RIBA' which by definition is the amount payable by debtor in addition to the amount of loan, irrespective of the purpose for which loan is taken. The term 'RIBA' includes both interest and usury. All schools of thought in Islam are unanimous on this meaning of 'RIBA' and no one having knowledge of Arabic language and Quran differs. The contention that 'RIBA' does not cover interest on commercial and development loans is baseless, it is put forward only by vested interests and some others who are ignorant of Arab culture and trade practices prevalent at the time of our Prophet (P.B.U.H).

2. Capitalism permits earning of profit (from trade and industry) and also earning of interest (from loans). Profit brings prosperity in society whereas interest brings inflation, unemployment and accumulation of wealth in a few hands at the cost of many others who are victims of exploitation and suffer from poverty and deprivation.

3. Islam presents ideal economic system in which earning of profit by fair means is permitted but interest is strictly prohibited. Consequently this system brings prosperity and happiness and frees society from exploitation and want. According to a saying of our Prophet (P.B.U.H) necessities of life are bound to become dearer with the prevalence of interest. Allama Iqbal showed a clear vision of Islamic tenets and needs of modern age when he condemned interest in his following verses:

کس نہ داند لذت قرض حسن

It deprives man of the pleasure of giving loan without profit motive.

از رباچہ می زاید؟ فتن!

From interest what is produced? miseries!

آدمی درندہ بے دندان و چنگ

Interest turns man into beast without teeth and claws.

از رباجاں تیرہ دل چوں خشت و سنگ

Interest brings darkness in life and renders heart hard like brick and stone.

سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات

Interest for one inflicts death on millions.

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے

In appearance interest is trade but in reality it is gamble.

4. Eminent economists have concluded from research studies spread over long periods that interest breeds inflation and unemployment. Following are excerpts from some of their writings:

(i) KEYNES in his "General Theory" spells out "15 reasons why interest should be abolished, the most important of which are that unemployment must persist as long as interest stays and that the remedy for inflation is also to lower the rate of interest". In "Treatise on money" he states: "Direct relationship between interest and prices is one of the most completely established empirical facts within the whole field of quantitative economics".

(ii) WICKSELL in "Selective papers on Economics" states: "A high rate of interest is associated with high commodity prices and a low rate of interest is associated with low commodity prices".

(iii) SHEIKH MAHMOOD AMMAD in "Towards Interest-Free Banking" writes; "To overcome this inflation and save the real value of savings is to go back to the point to start serious consideration of the methodology of elimination of interest which may ensure productive expansionism alongwith extinction of unemployment".

5. SHEIKH MAHMOOD AHMAD in his above mentioned book has given practical proposals for eliminating interest and establishing workable interest-free banking system.

6. Applicability of the Islamic injunction of total prohibition to the current banking interest and viability of interest-free banking system has been settled in the Federal Shariat Court's fully documented judgement passed in November 1991.

7. The above submissions and references should suffice for convincing any right thinking person of the necessity and practicability of eliminating interest from Pakistan's economy. What is now required is a genuine will to ameliorate the condition of the masses by eradication the curse of interest.

استحکام پاکستان کا ایک ذریعہ

صوبوں کی تشکیل نو

رشید احمد قدوائی

دنیا کا یہ واحد ملک ہے جس کے صوبوں میں آبادی کے لحاظ سے کوئی توازن نہیں

اخذ و ترجمہ: سردار اعوان

کراچی سے رشید احمد قدوائی صاحب نے "استحکام پاکستان: واحد ذریعہ 'صوبوں کی تشکیل نو" کے عنوان سے زرکثیر صرف کر کے ایک کتابچہ شائع کیا ہے جو غالباً مفت تقسیم کے لئے ہے کیونکہ اس پر کسی قیمت کا کہیں ذکر نہیں۔ تحریک خلافت پاکستان کے داعی جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے بھی پاکستان میں نظام خلافت کے خدوخال بیان کرتے ہوئے بلا کسی ابہام کے 'صاف لفظوں میں لکھا تھا کہ پاکستان کے موجودہ صوبوں کو ختم کر کے چھوٹی اکائیوں کی تشکیل کی جانی چاہئے جس سے ایک طرف انتظامی سہولت میسر آئے گی اور دوسری طرف اس مشکل کا حل نکلے گا جو صوبوں کے مابین حد سے بڑھے ہوئے فرق و تفاوت کی وجہ سے صدارتی نظام کو اختیار کرنے میں حائل ہے۔ تحریک خلافت پاکستان کا موقف ہے کہ صدارتی طرز حکومت' نظام خلافت سے قریب تر ہے۔ صوبوں کی نئی حد بندی کے سلسلے میں آبادی کی لسانی اور تمدنی شناخت کو بھی ملحوظ رکھا جائے تو یہ بات بھی اسلام کے مزاج کے خلاف نہیں ---- تحریک کے اس موقف پر کچھ دوستوں نے ناخوشی کا اظہار بھی کیا کیونکہ انگریز نے اپنی انتظامی سہولت کے لئے ہمارے علاقے کی جو تقسیم کی تھی اسے آسمان سے نازل شدہ سمجھ لیا گیا اور اسی کی بنا پر عصبیتوں کے عفریت کو پھنکارنے کا موقع دیا جا رہا ہے۔

رشید احمد قدوائی صاحب نے بہت خوبی سے وہ سب باتیں تفصیل سے لکھ دی ہیں جو تحریک کے پلیٹ فارم سے اجمالاً بیان ہوتی ہیں۔ ان کے شکریے کے ساتھ ہم ان کی اس قابل قدر تصنیف کو دو یا تین اقساط میں اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے تاکہ وہ تحریک کے موقف کی زیادہ بہتر ترجمانی کر سکیں۔ ہم اس تجویز کو قدوائی صاحب کی طرح استحکام پاکستان کا واحد ذریعہ تو نہیں البتہ ایک اہم ذریعہ ضرور سمجھتے ہیں ---- (ادارہ)۔ OO

تقسیم ہند سے پیشتر قوم کو ملک کی ضرورت تھی اور آج ملک کو قوم کی ضرورت ہے۔ غور کا مقام ہے کہ پاکستانی قوم آپس میں کیوں بٹی ہوئی ہے؟ لوگ ایک دوسرے کے خلاف کیوں صف آرا ہیں؟ قومی یکجہتی کا کیوں فقدان ہے؟ خلافت عثمانیہ کو ختم کرنے کے لئے "عرب قومیت" کا دلفریب نعرہ ذہن نشین کرایا گیا اور خلافت عثمانیہ پارہ پارہ ہو گئی۔ آج پھر وہی قومیتوں کے نعرے عالم اسلام اور خاص طور سے پاکستان کی سرزمین سے ٹکرا رہے ہیں۔ کوئی اپنے آپ کو پنجابی کہتا ہے کوئی پٹھان' کوئی سندھی' کوئی بلوچی اور کوئی مہاجر۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ پاکستان میں رہنے والے مسلمان پہلے مسلمان ہونے پر پھر پاکستانی ہونے پر فخر کا اظہار کرتے اور اس کے بعد سورۃ الحجرات آیت ۱۳ کی روشنی میں قومیتوں اور قبیلوں کی بات کرتے تاکہ کسی قسم کی عصبیت سے ان کے خیالات پراگندہ نہ ہوتے۔

یاایھاالناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا۔ ان اکرمکم عنداللہ اتقکم۔ ان اللہ علیم خبیر O (سورۃ حجرات آیت ۱۳)

(اے انسانو ہم نے تم کو بنایا ایک مرد اور ایک عورت سے اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور قبیلے تاکہ آپس کی پہچان ہو۔ تحقیق عزت اللہ کے یہاں اسی کی ہے جو تم میں متقی ہے اللہ سب کچھ جانتا ہے اور خبردار ہے)۔

ایک حدیث مبارکہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا دوسروں کے مقابلے میں اپنی قوم کے لوگوں سے نسبتاً زیادہ محبت کرنا عصبیت ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا "نہیں عصبیت یہ ہے کہ اپنی قوم سے محبت کی خاطر دوسروں سے نفرت کی جائے"۔

پاکستان چونکہ بنیادی طور پر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے جذبہ کے تحت تجربہ گاہ کے لئے معرض وجود میں آیا تھا اس لئے مخالفت کی خاص وجہ پاکستان کی اسلام سے وابستگی ہے۔ یہ دشمنان اسلام کے دلوں میں کانٹوں کی طرح کھٹک رہا ہے۔ اسرائیل کے پہلے وزیراعظم مسٹر ڈیوڈ گورین نے پیرس کی ساربون یونیورسٹی میں ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ:-

"بین الاقوامی صیہونی تحریک کو کسی طرح بھی پاکستان کے بارے میں غلط فہمی کا شکار نہیں رہنا چاہئے۔ پاکستان درحقیقت ہمارا اصلی حقیقی نظریاتی جواب ہے۔ پاکستان کا ذہنی سرمایہ اور عسکری قوت و کیفیت آگے چل کر ہمارے لئے کسی وقت بھی مصیبت کا باعث بن سکتی ہے۔ ہمیں اس کا حل سوچنا چاہئے۔ ہندوستان سے دوستی نہ صرف ہمارے لئے ضروری ہے بلکہ ہمیں اس تاریخی عناد سے فائدہ اٹھانا چاہیے جو ہندو۔ پاکستان اور اس میں بسنے والے مسلمانوں کے خلاف رکھتا ہے۔ یہ تاریخی عناد ہمارا سرمایہ ہے لیکن ہماری حکمت عملی ایسی ہونی چاہئے کہ بین الاقوامی اداروں کے ذریعہ ہندوستان سے اپنا رابطہ قائم رکھیں۔"

یہ تقریر یروشلم پوسٹ میں ۹ اگست ۱۹۶۷ء کو شائع ہوئی تھی۔ امریکہ پاکستان کے معاملہ میں اسی راہ پر گامزن ہے۔ وہ کبھی پاکستانیوں کو بنیاد پرستی کا طعنہ دیتا ہے کبھی دہشت گرد گردانتا ہے۔ کبھی اس کو پاکستان کی ایٹمی قوت برائے امن کی کوشش گراں گزرتی ہے اور کبھی مجاہدین کشمیر سے ہماری اخلاقی ہمدردی اس کو پسند نہیں آتی حالانکہ کشمیر ایک متنازعہ علاقہ ہے اور

اقوام متحدہ کی قرار دادوں کی روشنی میں پاکستان اور امریکہ کا فرض ہے کہ وہ کشمیری مجاہدین کو ان کا حق خود ارادیت دلانے میں ہر طرح کی مدد کرے۔

قائداعظم محمد علی جناح کی سیاسی بصیرت، فہم و دانش اور عزم صمیم نے خدا کی مدد سے مسلمانان برصغیر کو پاکستان تو عطا کر دیا لیکن حصول پاکستان کے بعد قائداعظم کی زندگی نے وفا نہ کی اور قائد ملت مسٹر لیاقت علی خان کو گولی کا نشانہ بنا دیا گیا۔ ان دونوں اعلیٰ ترین رہنماؤں کا انتقال قوم و ملک کے لئے سنگین اور ناقابل تلافی نقصان تھا۔ اس کے بعد "منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے" سیاسی بصیرت اور بصارت کے فقدان کی وجہ سے پاکستان پر قابض نام نہاد رہنما یہ نہ سمجھ سکے کہ ۱۹۴۰ء کی دہائی نے مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کو ایک مشترکہ نظریاتی بندھن میں باندھ دیا تھا لیکن ۱۹۶۰ء کی دہائی میں نظریات کی جگہ معاشیات لے چکی تھی۔ ہمارے رہنماؤں کی انفرادی سوچ قومی سوچ سے مربوط نہ ہونے کی صورت میں فکر منتشر ہے اور نظر کمر آلود۔ کسی رہنما نے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی کہ:-

(الف) ہندوستان اس لئے تقسیم ہوا کہ نو آبادیاتی ہندوستان میں مستقل اکثریت اور مستقل اقلیت کے مابین پیدا ہونے والے تضادات کو حل نہ کیا جا سکا۔

(ب) پاکستان کی تقسیم کی وجہ بھی یہی ہے کہ مشرقی پاکستان کی مستقل اکثریت اور مغربی پاکستان کی مستقل اقلیت کے درمیان تضادات کا صحیح حل تلاش نہ ہو سکا۔ ون یونٹ اور پیریٹی کے مصنوعی طریقے دیرپا نہ تھے۔

(ج) موجودہ پاکستان میں یہ تضاد پنجاب کی مستقل اکثریت اور چھوٹے صوبوں کی مستقل اقلیت کی شکل میں موجود ہے۔ چھوٹے صوبوں کی اپنی مغلوبیت اور بے اثری کا احساس نمایاں تر ہو رہا ہے۔

(د) جمہوریت اکثریت کی حکومت کا نام ہے لیکن اگر یہ ایک صوبہ کی اکثریت پر محمول ہو تو اس کو اکثریتی صوبہ کی حکومت کہا جائے گا جمہوری حکومت نہیں۔

(ح) اگر اجتماعی مفادات کو پس پشت ڈال کر آج ہی کی طرح ملک کو چلایا جاتا رہا اور پاکستان خدانخواستہ مزید شکست و ریخت سے دوچار ہوا تو سندھ اور بلوچستان سے زیادہ پنجاب اور سرحد کا نقصان ہو گا اس لئے کہ سندھ اور بلوچستان کے پاس ساحل سمندر ہے جبکہ پنجاب اور سرحد LAND-LOCKED علاقے ہیں۔

آج کی اہم ضرورت اس مخصوص موڑ کی طرف گامزن ہونے کی ہے جو ہمیں صوبائی عصبیت سے نجات دلا کر بحیثیت قوم ہماری شناخت کو بحال کرے۔ میری نگاہ میں اس کا واحد طریقہ "صوبوں کی تشکیل نو" ہے۔

راقم الحروف نے ۲۳ مارچ ۱۹۶۶ء کو مارننگ نیوز ڈھاکہ میں لکھا تھا کہ ون یونٹ کو توڑ دیا جائے اور مشرقی پاکستان کو کم از کم دو صوبوں میں تقسیم کر دیا جائے تاکہ اگر ایک صوبہ مرکز گریز ہو جائے تو دوسرا صوبہ سیاسی نقطہ نظر سے مرکز پذیر رہے گا۔ اس طرح

پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جس کے صوبے آبادی کے لحاظ سے قطعی غیر متوازن ہیں، مثلاً

ملک	آبادی	انتظامی یونٹ	ملک	آبادی	انتظامی یونٹ
افغانستان	2 کروڑ	31	ایران	6 کروڑ	24
البانیہ	30 لاکھ	27	عراق	2 کروڑ	18
الجیریا	2 کروڑ 30 لاکھ	48	اسرائیل	50 لاکھ	6
آسٹریلیا	1 کروڑ 6 لاکھ	8	اٹلی	6 کروڑ	22
بنگلہ دیش	11 کروڑ	21	جاپان	13 کروڑ	47
بھوٹان	10 لاکھ	18	اردن	30 لاکھ	8
برما	4 کروڑ	14	لبنان	35 لاکھ	6
کناڈا	3 کروڑ	12	لیبیا	40 لاکھ	10
چین	1 ارب 10 کروڑ	165	ملیشیاء	2 کروڑ	15
مصر	5 کروڑ	42	نیپال	2 کروڑ	14
فرانس	6 کروڑ	22	نائجیریا	10 کروڑ	19
جرمنی	8 کروڑ	26	فلپائن	5 کروڑ	13
ہندوستان	75 کروڑ	33	سعودی عرب	1 کروڑ 25 لاکھ	14
انڈونیشیا	17 کروڑ	27	سری لنکا	1 کروڑ 75 لاکھ	5
سوڈان	3 کروڑ	6	یوکے	6 کروڑ	54
سوئزرلینڈ	1 کروڑ	26	ویت نام	7 کروڑ	48
شام	1 کروڑ 50 لاکھ	14	یمن	24 لاکھ	6
تائیوان	2 کروڑ	16	زمبابوے	1 کروڑ	8
ترکی	5 کروڑ	72	آئرلینڈ	50 لاکھ	4
روس	30 کروڑ	44	یاکستان	12 کروڑ	4

مشرقی پاکستان سے کلی طور پر ہمارے قدم نہ اکھڑیں گے اور افہام و تفہیم کے ذریعہ حالات پر قابو پانے کا موقع مل جائے گا لیکن اس وقت کے مقتدر حضرات نے توجہ نہ دی اور آج نتیجہ تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔ جنرل نیازی نے جنگ کے دوران اظہار تاسف کرتے ہوئے کہا تھا کہ "کاش مشرقی پاکستان کو زیادہ صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا ہوتا" پاکستان دولخت ہو گیا۔ مسلمانوں کی تاریخ میں اس سیاسی جنگ و جدل کی فوجی شکست کو بدنما داغ ہی کہا جا سکتا ہے۔ لیکن کیا ستم ظریفی ہے کہ اتنے بڑے سانحہ کے بعد ہمارے شب و روز نہ بدلے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

انصاف اور احتساب کے ذریعہ پاکستان کو آج بھی جنت بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے دور رس نتائج کے حامل سیاسی اور معاشی اقدامات کی ضرورت ہے۔ وقت کی لہریں کسی کا انتظار نہیں کرتیں۔ تمام محب وطن پاکستانیوں کو اس حقیقت کا فوری ادراک کرنا چاہئے اور اصلاح احوال کا راستہ بغیر مزید تاخیر کے اختیار کرنا چاہئے۔ سیاستدانوں کو اپنی سیاسی اساس اور معیشت دانوں کو معاشی اساس کا کشادہ دلی سے جائزہ لینا پڑے گا۔ اسی طرح ہم اپنی منزل تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔

دنیا میں صرف دو ممالک ہیں جن میں ۴ صوبے ہیں۔ ایک آئرلینڈ جس کی آبادی ۵۰ لاکھ ہے اور دوسرے پاکستان جس کی آبادی ۱۲ کروڑ ہے۔

انگریزوں نے صوبے انتظامی بنیاد پر تشکیل دیئے تھے جن میں عوام کی فلاح و بہبود اور دیگر سہولتوں کو بنیادی اہمیت حاصل نہ تھی اور نہ یہ تقسیم پاکستان کے رقبہ اور آبادی کے پیش نظر کی گئی تھی۔

۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے وقت ڈویژنوں کی تعداد کو اور ۱۹۷۳ء کے آئین میں دی گئی خود مختاری کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر صوبوں کی تشکیل نو کی جائے تو بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے اور یہ قدم بڑے مثبت اور دور رس نتائج کا حامل ہو گا۔ حسب ذیل نکات قابل غور ہیں۔

(۱) نئے صوبوں کے وجود میں آ جانے سے موجودہ صوبوں کے ناموں پر پھیلائی گئی صوبائی' لسانی اور نسلی عصبیتیں دم توڑ دیں گی۔

(۲) تصادم' کشمکش اور بے یقینی کی بجائے قوم کے جذبہ تعمیر کو فروغ حاصل ہو گا۔

(۳) پاکستان مزید شکست و ریخت سے بچ جائے گا۔

(۴) عظیم تر بلوچستان' سندھو دیش اور پختونستان کے لئے بیرونی سازشیں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔

(۵) صوبوں کی تعداد میں اضافہ کی وجہ سے صوبائی اسمبلیاں زیادہ لوگوں کی سیاسی تربیت گاہ بن جائیں گی اور ہر صوبہ اپنے طور پر تعلیمی' صنعتی' زرعی اور معاشی ترقی کی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلامی فلاحی مملکت بنا دے گا۔

(۶) نئے صوبوں کا نظام انتظامی طور پر قابل عمل ہونے کے علاوہ نوکر شاہی کا زور توڑ دے گا۔ منتخب نمائندے مختلف محکموں کا براہ راست انتظام سنبھال کر ایک طرف عوام کی بہتر خدمت کریں گے اور دوسری طرف سیاستدانوں کی پر اعتمادی میں اضافہ ہو گا۔

کچھ حضرات کا خیال ہے کہ زیادہ صوبے ہونے کی وجہ سے اخراجات میں اضافہ ہو گا۔ میں ان کی توجہ ون یونٹ کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ ون یونٹ کے قیام سے اخراجات بڑھے تھے کم نہیں ہوئے تھے۔ اسی طرح سقوط ڈھاکہ کے بعد موجودہ پاکستان کے اخراجات میں اضافہ ہوا ہے۔ اگر صوبے چھوٹے ہوں گے اور ان کے منتظمین احساس ذمہ داری کا مظاہرہ کریں گے تو یقیناً اخراجات کو آج کے مقابلہ میں کم کیا جا سکتا ہے۔ اگر بالفرض انتظامی اخراجات میں برائے نام اضافہ ہو بھی جائے تو اس کی تلافی بے اندازہ محاصل سے ہو جائے گی۔

(۷) نئے شہر آباد ہوں گے جن کی وجہ سے موجودہ شہروں پر آبادی کا دباؤ کم ہو جائے گا۔ شہری آبادی کو ایک حد سے زیادہ نہ بڑھنے دینا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم کی نصیحت کے عین مطابق ہو گا۔ جب یہ بات علامہ ڈاکٹر اقبال نے اٹلی کے مسولینی کو بتائی تو اس نے حضور ﷺ کی فراست کی بہت تعریف کی۔ اسی حدیث کے مطابق خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ نے جدہ شہر بسایا تھا۔ اسی طرح اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور میں کوفہ اور بصرہ شہر بسائے گئے۔

(۸) چھوٹی اکائیوں کی وجہ سے اقتصادی ترقی کا عمل زیادہ بار آور ہوتا ہے اور ترقی کے ثمرات آسانی سے عوام تک پھیلائے جا سکتے ہیں۔

(۹) چھوٹے صوبے بنا کر ان کو ترغیب دی جائے کہ وہ خود کفیل ہوں۔ اپنے علاقہ کو ترقی دینے کے لئے وہ شہروں کی مناسب منصوبہ بندی کریں جن میں INDUSTRIAL-ZONES قائم کئے جائیں اور ان کی ضروریات کے لئے INFRA-STRUCTURE مہیا کیا جائے۔ اگر گجرات' گجرانوالہ اور سیالکوٹ میں چھوٹی صنعتیں لگ سکتی ہیں تو دوسرے شہروں میں بھی خوشحالی آ سکتی ہے۔ یہ بات خصوصی طور سے ذہن نشین کرنے کی ہے کہ دیہی آبادی کے لئے آمدنی کے ذرائع محدود ہوتے ہیں اور اسی لئے غربت زیادہ ہوتی ہے۔ ہندوستان میں دیہی آبادی ۷۴ فیصد ہے اور پاکستان میں ۷۰ فیصد جب کہ جنوبی کوریا میں صرف ۲۸ فیصد ہے۔ پاکستان میں فی کس سالانہ آمدنی ۳۸۰ ڈالر ہے اور جنوبی کوریا میں فی کس سالانہ آمدنی ۵،۶۰۰ ڈالر ہے۔ ضروری ہے کہ نئے شہر قائم کر کے دیہی آبادی کا ایک بڑا حصہ غیر زراعتی کاموں میں لگایا جائے اور زراعت کو فروغ بڑے بڑے زراعتی فارم بنا کر جدید ترین طریقہ پیداوار اور مشینری کی مدد سے دیا جائے تاکہ زراعت ایک روایتی مشغلہ کے بجائے صنعتی کاروبار بن جائے۔

(۱۰) آئین میں دی گئی صوبائی خود مختاری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہر صوبہ بغیر کسی رکاوٹ کے تعلیم کو اور خاص طور سے ٹیکنیکل تعلیم کو اپنی صوابدید کے مطابق فروغ دے سکے گا۔ ترقی یافتہ ممالک کے ہاتھ میں دولت کا ارتکاز ٹیکنیکل تعلیم ہی کی وجہ سے ہے۔

(۱۱) انصاف سستا' جلد اور اپنے علاقہ میں ہی ملنے لگے گا۔ عوام کو کراچی' لاہور' پشاور اور کوئٹہ کے چکر نہیں لگانے پڑیں گے۔ انصاف کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے مشہور فقیہ شمس الدین خطیب نے لکھا ہے کہ "فقہا کی رائے میں حکومت کا فرض ہے کہ وہ قصر نماز کی مسافت کے بقدر فاصلوں پر ایک مفتی مقرر کرے اور ہر علاقہ میں ایک قاضی زیادہ سے زیادہ اتنے فاصلے پر مقرر ہونا چاہئے کہ کوئی صاحب معاملہ صبح دار القضا' جا کر شام کو گھر واپس آ سکے۔

(۱۲) دنیا کے مختلف ممالک طویل تجربے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ایک وفاقی طرز حکومت کی کامیابی کی بنیاد اور لازمی شرط یہ ہے کہ وفاقی اکائیاں چھوٹی ہوں۔ اس کے برعکس پاکستان میں چودھری محمد علی صاحب نے بعجلت ون یونٹ بنا کر مغربی پاکستان کا

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

پاکستان کے دستور کی ایک اہم دفعہ

قرارداد مقاصد کی بنیادی اور ممتاز حیثیت

سردار شیر عالم خان ایڈووکیٹ کا ایک بیش بہا مقالہ

اخذ و ترجمہ: سردار اعوان

سردار شیر عالم خان' ایڈووکیٹ کے انگریزی مقالے Role of Judiciary and the Objective Resolution سے یہ اقتباس لیا گیا ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ اس کا قریب ترین مفہوم ادا کیا جاسکے تاہم معزز مقالہ نگار اس میں تصحیح یا ترمیم ضروری خیال کریں تو ہم اس کا خیر مقدم کریں گے۔ (مترجم)

آرٹیکل ۲۔الف کو مندرجہ ذیل پانچ وجوہات کی بنا پر پاکستان کے آئین میں انتہائی بنیادی اور ممتاز حیثیت حاصل ہے۔

(۱) آرٹیکل ۲۔الف میں کوئی ترمیم نہیں کی جا سکتی اس لئے اسے آرٹیکل ۴۵ جیسی دوسری آئینی شقوں (Provisions) کے ساتھ ایک سطح پر نہیں رکھا جاسکتا۔

(۲) آرٹیکل ۲۔الف کو آرٹیکل ۴۵ جیسی دوسری شقوں سے بعد میں آئین کا حصہ بنایا گیا لہٰذا اسے ان پر برتری حاصل ہے۔

(۳) آرٹیکل ۲۔الف کی خلاف ورزی کا نتیجہ آئین کے شیڈول ۳ کے تحت لئے گئے حلف کی خلاف ورزی کی شکل میں برآمد ہوتا ہے۔

(۴) ہیڈن (Hyden) کیس میں طے کردہ اصول کا اطلاق اور اس کے اثرات نے ۲۔الف کو خصوصی اہمیت دے دی ہے۔

(۵) آرٹیکل ۲۔الف ہی ایک ایسی شق ہے جس سے آئین میں حاکمیت کا مسئلہ طے ہوتا ہے۔ اس سے از خود اسے خصوصی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔

ترمیم نہیں کی جاسکتی

ہر قوم یا انسانی معاشرے کی اپنی الگ اجتماعی سوچ' بنیادی اقدار اور اصول ہوتے ہیں جو اس کی شناخت اور امتیازی حیثیت کے لئے بنیاد کا کام دیتے ہیں یا بالفاظ دیگر ان کی حیثیت جسم میں روح کی مانند ہے' جس طرح روح باقی نہ رہے تو جسم مردہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کسی قوم کی زندگی سے یہ عناصر خارج ہو جائیں تو وہ قوم کچھ سرپھرے لوگوں کا ہجوم تو ہو گی ایک منظم معاشرہ نہیں کہلا سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی ملک اپنے ہاں ان اقدار اور نظریات کا مکمل دفاع اور ان کی بھرپور حفاظت کا اہتمام کرتا ہے جنہیں اس معاشرے میں بنیادی اہمیت حاصل ہو۔ مثال کے طور پر بھارت کو ایک سیکولر ریاست ہونے کا دعویٰ ہے۔ جس کے تحت شخصی آزادی اور بنیادی انسانی حقوق کو بنیادی حیثیت حاصل ہے چنانچہ بھارت کی سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ وہاں کی پارلیمنٹ اس بارے میں کوئی ترمیم نہیں کر سکتی۔ اسی طرح کسی کمیونسٹ اور سوشلسٹ ملک میں کمیونسٹ اور سوشلسٹ نظریات کے خلاف قانون سازی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہی معاملہ اسرائیل کا ہے جس کا بنیادی فلسفہ صیونیت ہے۔

ان کے مقابلے میں پاکستان کی حیثیت مسلمہ طور پر ایک 'اسلامی جمہوریہ' کی ہے۔ جو آرٹیکل ۲۔الف کو آئین کا جزو بنائے جانے سے قبل بھی موجود تھی۔ یعنی آئین کی رو سے پاکستان' 'اسلامی ری پبلک آف پاکستان' ہے اور اس کا سرکاری مذہب اسلام قرار دیا گیا ہے۔ آئین کے آرٹیکلز ۶۲' ۶۳ اور ۱۱۳ کی رو سے وزیر اعظم اور وزرائے اعلیٰ اور ان کی کابینہ کے اراکین کا باعمل مسلمان ہونا لازم ہے۔ نیز آئین کے تحت ان سب سے جو حلف لیا جاتا ہے اس کے مطابق ان سب کی ذمہ داری ہے کہ نظریہ اسلام کی ترویج اور ترقی کے لئے ہر ممکن اقدام کریں۔ ان تمام باتوں کا اطلاق بعینہ صدر مملکت پر بھی ہوتا ہے اور آئین کی روح کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ لازم آتا ہے کہ موجودہ قوانین کو اسلامی احکامات کے مطابق بنایا جائے۔

پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں میں ہونے والے مقدمات کے فیصلوں میں اسی تصور کو اجاگر کیا ہے۔ چنانچہ لاہور ہائیکورٹ نے اپنے ایک فیصلے میں تحریر کیا کہ "مقننہ آئین میں کسی قسم کی غیر اسلامی ترمیم نہیں کر سکتی' نہ ہی آرٹیکل ۲ کو' جس کی رو سے اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے' آرٹیکل ۲۳۸ کے حوالے سے آئین سے حذف کیا جا سکتا ہے۔" مزید کہا گیا کہ قرار داد مقاصد' جو یکے بعد دیگرے ہر آئین میں موجودہ رہی ہے' پارلیمنٹ میں ہونے والی قانون سازی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ حالانکہ اس وقت تک 'قرار داد مقاصد' آئین میں باقاعدہ شامل نہیں ہوئی تھی۔ اسی طرح عاصمہ جیلانی کیس میں سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا کہ "ہمارے تمام معیارات اسلامی عقیدہ پر مبنی ہیں۔ پاکستان اسلام کی بنیاد پر وجود میں آیا تھا اور اسے اسلامی طریقہ سے ہی چلایا جا سکتا ہے الا یہ کہ خدانخواستہ سارا سیاسی نظام تبدیل کر کے اسے دوبارہ غیر اسلامی بنا دیا جائے۔ جس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس بنیاد کو ہی ختم کر دیا جائے جس پر یہ ملک وجود میں آیا تھا۔"

اب جب کہ قرار داد مقاصد' آرٹیکل ۲۔الف

کی رو سے آئین کا جزو لاینفک قرار پا چکی ہے' اس سوال کا جواب دینے کے لئے کہ آیا آرٹیکل ۲۔الف میں ترمیم کی جا سکتی یا نہیں؟ ہمیں آرٹیکل ۲۔الف کی اہمیت اور اب تک اس کے لئے کی جانی کوششوں کا مختصر طور پر جائزہ لینا ہو گا۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں' آرٹیکل ۲۔الف کے ذریعے قرار داد مقاصد کو آئین کا حصہ بنانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ضیاء الرحمٰن کیس میں سپریم کورٹ نے جس فی خامی کی نشاندہی کی تھی اسے دور کر دیا جائے۔ ورنہ اس میں کبھی بھی کوئی شک وشبہ نہیں رہا کہ قرار داد مقاصد کے ذریعے ہم نے اس منزل کا تعین کیا جس کا خواب برعظیم کے مسلمانوں نے دیکھا تھا اور جسے پورا کرنے کے لئے ہم نے یہ ملک حاصل کیا۔ پاکستان کا قیام ہی گویا نظریاتی مملکت کے طور پر عمل میں آیا ہے۔ ایک جانب تاریخی عوامل اس بات کی گواہی دیتے ہیں تو دوسری جانب آئین کے مجموعی تاثر سے بھی اس حقیقت کی نشاندہی ہوتی ہے۔ چنانچہ جسٹس ملک محمد اکرم نے نصرت بھٹو کیس میں چیف جسٹس انوار الحق سے اتفاق کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ

"مزید براں جیسا کہ میرے محترم چیف جسٹس نے اظہار خیال فرمایا ہے ہمارا ملک ایک نظریاتی ری پبلک ہے۔ اور قرار داد مقاصد کے ساتھ اس کا تعلق مضبوطی سے جڑا ہوا ہے' خصوصاً اسلامی قوانین اور اخلاقیات۔"

زیادہ توجہ طلب بات یہ ہے کہ یہ فیصلہ ضیاء الرحمٰن کیس کے چار سال بعد ۱۹۷۷ء میں' اور ۱۹۸۵ء میں قرار داد مقاصد کو آئین کا حصہ بنانے سے بہت پہلے تحریر کیا گیا تھا۔ جس سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ ضیاء الرحمٰن کیس میں سپریم کورٹ کا اعتراض خالصاً فنی نوعیت کا تھا اور اس سے ریاست کے بنیادی نظریے اور معاشی وسیاسی حقائق پر قطعاً کوئی زد نہیں پڑتی۔ بلکہ الٹا اس کی تائید ہوتی ہے۔ اصل اہمیت نظریاتی اساس کی ہے' قانونی تقاضے ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ خصوصاً ایک ایسے ملک میں جس کا قیام ہی نظریہ کا مرہون منت ہو۔

حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کے لئے چیزوں کو ان کے صحیح پس منظر میں دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اس ضمن میں لیاقت علی خان کے وہ الفاظ خصوصی اہمیت کے حامل ہیں جو انہوں نے پہلی دستور ساز اسمبلی میں قرار داد مقاصد کی منظوری کے موقع پر کہے یعنی یہ کہ "قوم میں بیداری لانے کے لئے قرار داد مقاصد اس سمت ہمارا پہلا قدم ہے" یعنی پاکستان میں احیاء اسلام کی جانب یہ پہلا قدم تھا' کیونکہ ظاہر ہے صدیوں کا فاصلہ ایک ہی قدم میں طے نہیں کیا جا سکتا تھا' لیکن اس سے منزل کا تعین یقینی طور پر ہو گیا۔

دیر سے سہی' مگر ۱۹۷۹ء میں شرعی عدالتوں کے قیام کو اس سمت میں دوسرا قدم کہا جا سکتا ہے۔ آرٹکل ۲۔الف کو آئین کا جزو بنایا جانا اور حلف میں نئے الفاظ شامل کرنا اس سلسلے کی اہم کڑیاں ہیں جو دونوں ایک ہی ساتھ آئین میں شامل کی گئیں۔ اس طرح قرار داد مقاصد میں درج جو نظریہ اصولی طور پر آئین میں موجود تھا' وہ بالفعل لاگو ہو گیا۔ یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ قرار داد مقاصد میں قوانین مرتب شکل میں دے دئے گئے ہیں جب کہ اس سے قبل انہیں قرآن وسنت کے مطابق جانچنے کا کام عدالتوں کے ذمے تھا اور اہم ترین بات یہ کہ آرٹیکل ۲۔الف کا درجہ ایک مثبت اور بالادست قانون کا ہے اور اصولی طور پر اسے ان تمام قوانین پر سبقت حاصل ہے جنہیں موجودہ معیار کے مطابق ناقابل ترمیم تسلیم کیا جاتا ہے۔

قدرتی طور پر اب اگلا سوال یہ ہو گا کہ آرٹیکل ۲۔الف' جو کہ ناقابل ترمیم ہے' کیا رتبہ اور وزن کے اعتبار سے آئین کی ان دوسری شقوں کے برابر تصور ہو گا جن میں ترمیم کی جا سکتی ہے۔ اس ضمن میں لاہور ہائیکورٹ نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ قابل توجہ ہے یعنی "آرٹیکل ۲۔الف اس بات کی علامت ہے کہ مقننہ تسلیم کرتی ہے کہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین سے فروتر ہیں۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے جسے کوئی بھی عدالت رد نہیں کر سکتی۔ آرٹیکل ۲۔الف کے مؤثر اور قابل تنفیذ ہونے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ حاکمیت مطلقہ عوام یا پارلیمنٹ کی نہیں' صرف اور صرف اللہ کی ہے۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ جہاں تک آرٹیکل ۲۔الف کا مجرد آئین میں شامل اور مؤثر ہونے کا تعلق ہے' کو سارے آرٹیکلز برابر ہیں اور قانوناً ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں' مگر اس سے ان کی اپنی اہمیت اور وزن کم نہیں ہوتا۔ اس طرح آرٹیکل ۲۔الف کی جو خصوصی اہمیت ہے۔ آرٹیکل ۲۶۸ (۶) کے اطلاق سے اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔"

آرٹیکل ۲۔الف کو صرف انہی آرٹیکلز پر ہی فوقیت حاصل نہیں جن میں ترمیم کی جا سکتی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسے تمام دستوری دفعات پر فوقیت حاصل ہے کیونکہ ہماری قانونی زندگی کے ارتقاء میں یہ ایک اہم قدم اور اس شعوری فیصلے کا کہ ہماری اصل منزل اسلام کا احیاء ہے' عملی مظہر ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے لوگوں کو ان کی مرضی پر نہیں چھوڑا جا سکتا کہ وہ کوئی بھی نظریہ اپناتے پھریں۔ چنانچہ آرٹیکل ۲۔الف سے یہ اہم مسئلہ طے ہوا ہے۔ ایک ایسی ریاست میں جو تصور اور حقیقت دونوں اعتبارات سے ایک نظریاتی ریاست ہے اگر عام ریاستی امور اس کے نظریے کی بنیاد پر طے نہیں پاتے تو یہ ایک بہت بڑا تضاد اور اپنی ذمہ داریوں سے انحراف ہو گا۔ ایک بہت بڑے تاریخ دان اور جدید مفکر' ٹائن بی' کی یہ بات ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہونی چاہئے جو مسلمان ہوتے ہوئے نام نہاد روشن خیالی کے چکروں میں سرگرداں ہیں "عہد حاضر کی تہذیب سے کسی قسم کی توقع نہیں ہوئی چاہئے جب تک کہ اس کا پورا سیکولر ڈھانچہ بدل کر دوبارہ مذہب کے ساتھ مضبوطی سے نہیں جوڑا جاتا۔"

آئین کا حصہ قرار پانا

قانون کی تشریح اور تنفیذ میں عدلیہ کو اکثر یہ صورت حال پیش آتی رہتی ہے کہ اسے دو یا اس سے زائد باہم متضاد و متصادم قوانین میں فیصلہ کرنا ہوتا ہے چنانچہ عدلیہ کا کام یہ ہوتا ہے کہ حالات کا جائزہ لے کر صحیح نتیجے تک رسائی حاصل کرے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی قانون کی تشریح کرتے وقت عدالت کے سامنے اہم مسئلہ قانون کا اصل منشاء معلوم کرنا ہوتا ہے۔ دوسرا ایک اہم اصول یہ ہے کہ یہ پہلے سے فرض کیا ہوتا ہے کہ کسی شق کو بطور قانون نافذ کرتے وقت اس موضوع سے متعلق دوسری تمام آئینی شقیں مقننہ کے ذہن میں تھیں۔ چنانچہ آخر میں لائی گئی شق سے مقننہ کا اپنے حالیہ ارادے اور اختیار کا اظہار مقصود ہے۔ اس اصول کی بنیاد یہ فلسفہ اور دلیل ہے کہ حقیقت کے اعتبار سے کسی نئے قانون سے پرانا قانون موخر یا تبدیل ہو جاتا ہے اس کی مزید صراحت انگریزی کے ایک معروف جملے سے بھی ہوتی ہے کہ "کوئی بھی "ایکٹ" کسی قانون میں تبدیلی لانے یا اسے بہتر کرنے کے لئے بنایا جاتا ہے۔ محض اس وجہ سے اس پر عمل درآمد نہ کرنا کہ اس طرح کسی سابقہ قانون کی خلاف ورزی ہو گی' درست نہیں"۔ اور

جہاں تک یہ قوانین دو یا اس سے زائد تعداد میں ہوں وہاں تو یہ اصول پوری طرح لاگو ہے۔ آرٹیکل ۲۔الف چونکہ بہت بعد ۱۹۸۵ء میں آئین کا حصہ بنایا گیا ہے اس لئے اسے آرٹیکل ۴۵ یا باب ۳ میں شامل دفعات اور دوسری ساری شقوں پر فوقیت حاصل ہے۔

ہیڈن کیس

قوانین کو جو معنی پنائے جاتے ہیں اور جو مفہوم لیا جاتا ہے وہ ان قوانین کے متن' ان کے پیش نظر مقاصد اور وہ حالات جن کے تحت ان کی ضرورت پیدا ہوئی' ان سب کو مد نظر رکھ کر وہ معنی اور مفہوم اخذ کئے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں ایک نہایت پرانا یعنی ۱۵۸۴ء کا ہیڈن کیس بہت مشہور ہے جس کا حوالہ ۱۹۴۹ء میں بھی ایک کیس میں دیا گیا ہے۔ اس کیس میں جو اہم اصول بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ کسی قانون کی تشریح کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ اس سے شر کا تدارک ہو اور بھلائی نمایاں ہو۔ یہی نہیں بلکہ اس سے ان تمام حیلے بہانوں اور چالوں کو ناکام بنانے میں مدد ملنی چاہئے جن سے شر کے جاری رہنے کا اندیشہ ہو۔ اس اصول کے تحت عدلیہ کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ ان چار باتوں کا نہایت گہرائی میں جاکر باریک بینی سے جائزہ لے یعنی:

(۱) کسی ایکٹ کے وجود میں آنے سے پہلے اس کی جگہ کون سا قانون رائج تھا؟

(۲) وہ شر یا بدی کیا تھی جسے وہ پہلا قانون روکنے میں ناکام رہا۔

(۳) پارلیمنٹ نے نیا قانون لاکر اس کا کیا علاج پیش کیا ہے؟

(۴) اور علاج کی اصل نوعیت؟

زیر بحث مسئلہ پر اس اصول کے تحت غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ آرٹیکل ۲۔ الف کا آئین کا حصہ بننے سے قبل' ضیاء الرحمٰن کیس میں سپریم کورٹ نے آئین کا جو مفہوم لیا تھا' فی لحاظ سے اگرچہ وہ بالکل درست تھا' مگر پاکستان کے مسلمان عوام کے احساسات و جذبات سے اسے کوئی مطابقت حاصل نہ تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کیس کے فیصلہ کے باوجود سپریم کورٹ اس بات کی قائل رہی ہے کہ نظریہ پاکستان اور قرار داد مقاصد کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس امر کا واضح اظہار نصرت بھٹو کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلے سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ بہرحال اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ضیاء الرحمٰن کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلے سے اس عزم اور حوصلے کی نفی ہوتی تھی جس کا اظہار لیاقت علی خان نے قرار داد مقاصد کے منظور ہونے کے موقع پر کیا تھا' یعنی پاکستان میں اسلامی نظریات اور احکامات کا عملی نفاذ۔ چنانچہ اس کی تلافی کے لئے آرٹیکل ۲۔الف کا آئین میں اضافہ کیا گیا اور اس کا واضح مقصد یہ ہے کہ یہاں اسلام کے نفاذ میں جو عملی رکاوٹیں درپیش ہیں انہیں دور کیا جائے۔

حلف کی خلاف ورزی

آرٹیکل ۲۔الف کے اضافے کے ساتھ ہی حلف کے لئے جو نئے الفاظ آئین میں شامل کئے گئے ہیں ان کے تحت متقننہ کا ہر رکن اور اعلیٰ انتظامی عہدوں پر فائز ہر شخص یہ عہد کرتا ہے کہ وہ نظریہ اسلام جو پاکستان کے قیام کی بنیاد ہے' کی حفاظت کا فرض پورا کروں گا۔ یہ الفاظ آرٹیکل ۲۔الف میں موجود ان الفاظ سے گہری مناسبت رکھتے ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ جملہ حکومتی امور کی انجام دہی ایک مقدس امانت ہے اور یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کے اندر اندر کی جائے گی۔ اس لحاظ سے آرٹیکل ۲۔الف اور حلف کا آپس میں جو گہرا ربط و تعلق ہے وہ اس وجہ سے ہی نہیں کہ دونوں بیک وقت آئین میں شامل کئے گئے ہیں' الفاظ و معانی سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس طرح آرٹیکل ۴۵ کے حوالے سے اگر صدر مملکت کوئی ایسا کام انجام دیتے ہیں جس سے آرٹیکل ۲۔الف کی تردید ہوتی ہو تو لامحالہ یہ ان کے حلف کے بھی خلاف ہوگا۔ چونکہ کسی بھی ذمہ دار شخص یا قومی راہنما سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ دانستہ طور پر دستور یا حلف کی خلاف ورزی کرے گا اس لئے ثابت ہوا کہ اصل اہمیت آرٹیکل ۲۔الف کو حاصل ہے۔

حاکمیت کا مسئلہ

آئین کسی قوم کی تاریخ' تہذیب اور سماجی و معاشی روایات کو مد نظر رکھ کر بنایا ہے۔ اس طرح آئین اس قوم کی امنگوں اور جذبات کا بھی آئینہ دار ہوتا ہے اور ان اصولوں اور نظریات کی نشاندہی کرتا ہے جنہیں پروان چڑھانا مقصود ہوتا ہے۔ اسی کے مطابق وہاں زندگی کا رخ متعین ہوتا ہے اور مختلف ادارے تشکیل پاتے ہیں۔ دور حاضر میں پاکستان ہی وہ واحد ملک ہے جو اس اعلان کی بنیاد پر وجود میں آیا کہ اس میں اسلام کے قوانین اور احکامات رائج کئے جائیں گے۔ چنانچہ پاکستان کے آئین میں واضح طور پر اس کا اہتمام کیا جانا لازمی امر ہے اور آرٹیکل ۲۔الف غالباً وہ واحد شق ہے جو اس طور سے یہ تقاضا پورا کرتی ہے۔ آرٹیکل ۲۔الف کئی لحاظ سے بے مثال خصوصیات کا حامل ہے۔ جو کسی دوسرے ملک کے آئین موجود نہیں ہیں۔ ان میں سب سے پہلی خصوصیت تو یہ ہے کہ حاکمیت مطلقہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اس سے عوام کی حاکمیت کے مروجہ تصور کی کلی طور پر نفی ہو جاتی ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ مملکت پاکستان ایک مطلق العنان یا زیر دست مطلق العنان (Delegated Sovereign) ریاست نہیں' اسے جو بھی اختیارات حاصل ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تفویض کردہ ہیں۔ آرٹیکل ۲۔الف میں وہ ذریعہ یا طریقہ بھی درج ہے جس سے یہ اختیارات ریاست کو حاصل ہوئے ہیں' یعنی عوام کے منتخب نمائندوں کے ذریعے سے۔ اس کے بعد ان اختیارات کو بروئے کار لانے کے لئے دو شرائط ہیں۔ ایک یہ کہ اختیارات کا استعمال ایک مقدس امانت کے طور پر کیا جائیگا اور دوسرے یہ کہ یہ اختیارات اللہ تعالیٰ کی طرف سے معین کردہ حدود کے اندر اندر استعمال ہونگے یوں یہ حاکمیت محدود بھی ہے اور مشروط بھی۔ یہ امر غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے کہ سپریم کورٹ نے حاکم خان کیس میں بھی قرار داد مقاصد کی تشریح یہی کی ہے۔ آرٹیکل ۲۔الف ایک مکمل اور جامع شق ہے جس میں حاکمیت کے سوال پر ہر وہ بات موجود ہے جو پیش آسکتی ہے اور یہ واحد آئینی شق ہے۔ جو اختیارات کے سرچشمہ اور ان کے استعمال سے بحث کرتی ہے۔ ظاہر ہے ریاست کو جو قوت میسر ہے اس میں حاکمیت کا مسئلہ نہایت اہم ہے۔ اسی طرح جب تک حاکمیت کا تصور واضح نہ ہو' حقوق و فرائض کا تصور مکمل نہیں ہوتا۔ آرٹیکل ۲۔الف کا اسلوب ہی ظاہر کرتا ہے کہ اس میں درج حاکمیت کا تصور خیالی یا وہمی نہیں' اس پر عمل کیا جانا مطلوب ہے۔OO

قرآن حکیم کی سورتوں

کے مضامین کا

اجمالی تجزیہ

ڈاکٹر اسرار احمد

• مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

اشاعت خاص ۔/۴۰ روپے' عام ۔/۲۰ روپے

بر سبیل تذکرہ

دینی جماعتوں کی ذمہ داریاں

محمد سمیع

مدیر "نوائے وقت" نے اپنے ایک ادارتی نوٹ میں عالم اسلام کے انحطاط کے حوالے سے تبلیغی جماعت کو اس کی ذمہ داریاں یاد دلائی ہیں۔ یہ بہت اچھا کام ہے جو انہوں نے کیا۔ تبلیغی جماعت مسلمانوں کا عالمی سطح پر سب سے بڑا مذہبی ادارہ ہے۔ تبلیغی بھائی لاکھوں کی تعداد میں تبلیغ دین کے فریضے کی ادائیگی میں ہر وقت پوری دنیا میں متحرک رہتے ہیں۔ یہ کام وہ خالصتاً لوجہ اللہ کر رہے ہیں اور دوسری مذہبی جماعتوں کی طرح نہ اس جماعت کی اتنی پبلسٹی ہوتی ہے اور نہ اس کے اکابرین کی جبکہ دوسری مذہبی جماعتیں اگرچہ کام تو فی سبیل اللہ ہی کر رہی ہیں لیکن ان میں سے بیشتر شخصیتوں کی بنیاد پر چل رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ راقم الحروف تقریباً دس سال سے انہیں راہوں پر گامزن ہے لیکن اسے اب تک یہ معلوم نہیں کہ تبلیغی جماعت کا عالمی سطح پر امیر کون ہے اور پاکستان کی سطح پر کون۔ جبکہ اسے اپنی جماعت سمیت تقریباً تمام مذہبی سیاسی جماعتوں کے امراء کے نام سے واقفیت ہے۔ لیکن تبلیغی جماعت کا یہ خاصہ ہے کہ اتنی بڑی جماعت کا نہ کوئی دفتر نظر آتا ہے اور نہ کوئی لٹریچر سوائے گنی چنی چند فضائل کی کتب کے ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ تبلیغی جماعت کے کارکنوں کے خلوص اور اللہ کی نصرت کی بناء پر ہے۔

یہ تو اس جماعت کا ایک اچھا پہلو ہے۔ لیکن اس کا دوسرا مایوس کن پہلو یہ ہے کہ تبلیغ دین کی نہیں بلکہ مذہب کی بنیاد پر ہو رہی ہے۔ لہٰذا سارا زور عبادات پر ہے۔ چونکہ معاشرے میں سب سے زیادہ چلت پھرت انہی کی ہے لہٰذا جن باتوں کی وہ تبلیغ کر رہے ہیں لوگوں نے اسی کو دین سمجھ لیا ہے۔ نماز روزہ پر کاربند رہو۔ معاشرے میں جاری منکرات سے اعراض کئے رہو کہ یہ تمہاری ذمہ داری نہیں۔ تمہیں تو اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔ اور حکومت اور سیاست تو سیاست کاروں اور دنیا داروں کا کام ہے۔ تمہیں تو ان چکروں میں پڑ کر اپنی عاقبت خراب کرنی ہی نہیں ہے۔ ایسے میں تبلیغی جماعت سے نظام کی اصلاح کی توقع رکھنا جنت الحمقاء میں بسنے کے مترادف ہے۔ یہ کام تو وہی کر سکتے ہیں جو دین کو کل کا کل نہ کہ اس کے ایک جز کو لے کر چلنے والے ہوں۔

لیکن افسوسناک تر بات یہ ہے کہ جن جماعتوں نے دین کو بحیثیت نظام زندگی اپنانے کا دعویٰ کر رکھا ہے وہ بھی افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ وہ بھی ہیں جن کا سارا زور سیاسی نظام پر ہے۔ سیاست کو انہوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہوا ہے۔ نتیجتاً ان کے کارکنوں کی اپنی زندگی پر اسلام کی چھاپ مطلوبہ درجہ میں نظر نہیں آتی۔ اگر ایک طرف تبلیغی جماعت کے کارکنوں میں تقویٰ و تدین ہے' سنت کی پیروی ہے تو اسلام کے معاشرتی' معاشی اور سیاسی نظام سے لاتعلقی ہے جبکہ دوسری طرف نظام سے گہرا لگاؤ ہے تو تقویٰ اور تدین کی کمی ہے اور سنت کی پیروی سے تو شاید فارغ ہی ہو چکے ہوں۔ کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جو اپنے قائد کی رہنمائی میں اس کوشش میں مصروف ہیں کہ ایک ایسی جماعت تشکیل دی جائے جس میں تبلیغی جماعت کا تقویٰ و تدین اور جماعت اسلامی کا نظم اور اسلامی نظام زندگی سے آگہی دونوں پیدا ہو سکیں۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ان کی دعوت کا محور و مرکز قرآن کریم ہے جس میں اگر بشارتیں ہیں تو ڈراوے بھی ہیں۔ جو زندگی کو ایک امتحان گاہ قرار دیتا ہے۔ اور امتحان گاہ میں آزمائشیں ہوتی ہیں۔ آزمائشوں کے لئے تو ہم تیار نہیں۔ ہمیں تو یہ پسند ہے کہ اعمال چھوٹے سے چھوٹے اور آسان سے آسان ہوں اور اجر زیادہ سے زیادہ ہو تاکہ کم سے کم محنت کے ذریعہ گناہوں کی مغفرت کروائی جاسکے۔ دوسری طرف وہ جماعت انتخابی سیاست میں حصہ نہیں لیتی لہٰذا نہ اس میں ارکان پارلیمنٹ اور کونسل بننے کا موقع ہے اور نہ مفادات کا حصول ممکن ہے۔ لہٰذا ہم ایسی جماعت میں کیوں جائیں۔ پھر یہ جماعت ایک انقلابی جماعت ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔ جو یہ کہتی ہے کہ نظام باطل سے ٹکرانا ہے لیکن مار کھانا ہے ہاتھ نہیں اٹھانا ہے۔ یہ تو مروانے والی بات ہوئی۔

لہٰذا یہ جماعت جس کا نام تنظیم اسلامی ہے ابھی معاشرے میں غیر معروف ہے۔ کچھوے کی رفتار سے آگے بڑھ رہی ہے۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ نہ صرف آگے بڑھ رہی ہے بلکہ اب اسکے انقلابی فکر کی باتیں دوسری جماعتیں بھی دہرانے لگی ہیں۔ لہٰذا انقلاب کی منزل کی طرف سفر جاری ہو چکا ہے۔ انشاء اللہ انقلاب آئے گا اور نظام باطل سرنگوں ہو گا۔ اسلام کا بول بالا ہو گا۔ بے غیرت مسلمان حکمران اپنے انجام کو پہنچیں گے اور پھر کسی عیسائی' یہودی یا ہندو قوم کو یہ جرات نہ ہو گی کہ وہ مسلمانوں کو میلی آنکھ سے بھی دیکھ سکیں گے۔ لیکن یہ کب ہو گا۔ یہ اللہ بہتر جانتا ہے۔ فی الحال تو یہ ہماری تمنا ہے۔ ○○

بقیہ خطبات خلافت

جماعتوں کا آئندہ کیا لائحہ عمل ہونا چاہئے" اس موضوع پر خطاب فرمائیں گے۔ اس دور دراز مقام پر بھی لوگ ذوق و شوق سے پہنچے۔ آپ نے بنی اسرائیل کے عروج و زوال کے ادوار کا ایک نئے انداز سے تجزیہ کرتے ہوئے امت مسلمہ کے عروج و زوال کا ذکر کیا۔ دو مسلم امتیں حالات و واقعات کے اعتبار سے کتنی مشابہ ہیں اس پر روشنی ڈالی۔ امت مسلمہ کے آخری دور کی بشارت کو توبہ اور عمل پیہم سے مشروط کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہم اجتماعی توبہ کر لیں تو حالات جس بڑے عذاب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اس سے بچ سکتے ہیں۔ ○○

بقیہ صوبوں کی تشکیل نو

ایک بڑا صوبہ بنا دیا۔ اس طرح دنیا کی تاریخ میں پہلی بار ایک ایسا وفاق معرض وجود میں آیا جو دو اکائیوں پر مشتمل تھا۔ ایسے وفاق جس میں صرف دو یونٹ ہوں اختلاف رائے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہو سکتی اور جس وفاق میں اختلاف رائے کی گنجائش نہ ہو وہ جلد یا بدیر انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کا ثبوت ہمیں ۱۹۷۱ء کے واقعات میں مل گیا۔

(۱۳) اگر یونٹس چھوٹے ہوں تو کسی ایک صوبہ کی اکثریت کا خوف ختم ہو جائے گا۔ "سندھ کا منظر" نامی کتاب کے مصنف مسٹر شاہد کامران نے صفحہ ۳۸۵ پر لکھا ہے کہ مشرقی پاکستان کو ایک سے زیادہ انتظامی و حدتوں میں تقسیم کرنے کا مطالبہ خود پنجاب کی جانب سے کیا جاتا رہا ہے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد اب پنجاب کو قومی وحدت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے خود آگے آکر صوبوں کی تشکیل نو کی حمایت کرنی چاہئے۔ (جاری ہے)

رنگلہ میں معاونین تحریک خلافت سے ملاقات کرنا تھی۔ جنرل صاحب جمعرات ۲۵/ نومبر کو دھیر کوٹ تقریباً ساڑھے پانچ بجے شام تشریف لائے جہاں انہیں "کشمیر ٹورسٹ ان" میں شب بسر کرنا تھی اور اگلے روز یہاں سے ۱۳ کلومیٹر مشرق کی جانب رنگلہ تشریف لے جانا تھا۔

۲۶/ نومبر ۱۰ بجے دن ایچ۔ایم۔انصاری، شمس الحق اعوان، راجہ محمد اکرم خان ناظم آزاد کشمیر، اور ان کے ایک ساتھی پر مشتمل یہ مختصر سا قافلہ رنگلہ تشریف لایا تو دفتر تحریک خلافت رنگلہ میں، راجہ محمد داؤد خان، راجہ تاج افسر خان اور ساتھیوں نے انہیں خوش آمدید کہا۔ دفتر ہذا میں معاونین تحریک خلافت کا فرداً فرداً تعارف کرایا گیا، تحریک خلافت میں کام کی نوعیت، مشکلات، خامیوں اور کمزوریوں پر سوال جواب ہوا۔ تحریک کے معاونین جو (۵'۵) یا (۱۰'۱۰) کلومیٹر پیدل سفر طے کرکے یہاں تشریف لائے تھے، نے اپنی اپنی تجاویز بھی پیش کیں۔ ان میں، راجہ رستم خان، راجہ حنیف خان، راجہ مستانہ خان، المعروف راجہ صاحب، راجہ علی بہادر خان، راجہ آزاد خان، راجہ سلیمان خان، راجہ فیاض، حافظ جمیل احمد، صوبیدار ریٹائرڈ گلزار خان، راجہ سرور خان، راجہ خان افسر، راجہ لیاقت پرویز اور کئی ایک دوسرے معاونین شامل تھے۔

مختلف سیاسی پارٹیوں کے مقامی لیڈروں نے جنرل ریٹائرڈ ایچ۔ایم۔انصاری صاحب سے ملاقات کی۔ ان میں، راجہ خالد اشرف پی پی پی، راجہ سجاد خان ایڈووکیٹ، راجہ صابر خان ایڈووکیٹ پی پی پی، راجہ صیاد خان، حاجی راجہ محمد اسلم خان، اور دوسرے سرکردہ رہنما شامل تھے۔ یہ نشست پونے ایک بجے تک قائم رہی۔ بعد میں کھانے کے بعد جنرل ریٹائرڈ ایچ۔ایم۔انصاری کو جامع مسجد رنگلہ میں خطاب کرنا تھا۔ یہاں کے امام مولانا خورشید انور صاحب اور انتظامیہ نے خصوصی خطاب کا اہتمام کر رکھا تھا۔

ایک بجے انصاری صاحب کا بصیرت افروز خطاب شروع ہوا۔ جس میں زندگی اور موت کی تخلیق، دنیا کی بے ثباتی اور انسانی زندگی اور تخلیق کے مقاصد بڑے عام فہم انداز میں بیان ہوئے۔ بیان سے جنرل صاحب کا سوز و گداز، تقویٰ و خلوص ٹپک رہا تھا جنرل صاحب کے بیان اور نورانی شخصیت نے ایک بڑا ہی خوش کن تاثر چھوڑا جس سے تحریک کے مزید پھلنے پھولنے میں مدد ملے گی۔ عوام اور نمازیوں کی ایک کثیر تعداد نے یہ بصیرت افروز باتیں سنیں اور عہد کیا کہ وہ قرآن سے خصوصی تعلق قائم رکھیں گے۔ اسے گھروں میں پڑھنے سمجھنے کا اہتمام بھی کریں گے۔

اس کے فوراً بعد جنرل صاحب اور شمس الحق اعوان کوہ مری کی طرف چل پڑے جہاں ۴ بجے پروگرام طے تھا۔OO

خلوص کی محفل

آؤ دلوں میں پیار کی شمع جلائیں ہم
نفرت مٹا کے دل میں محبت بسائیں ہم

اپنے چمن سے دکھ کے یہ کانٹے نکال کر
الفت کے پھول ہر سو وطن میں کھلائیں ہم

رخ آندھیوں کا موڑ کے باد سموم کی
باد بہاری پیار کی مل کر چلائیں ہم

ہم سب کا یہ چمن ہے جو جنت سے کم نہیں
آؤ نئے چراغ وفا کے جلائیں ہم

اک دوسرے کے بانٹ لیں مل کر غموں کو اب
ہمدردیوں کا زخم پہ مرہم لگائیں ہم

آپس میں لڑ کے ہم نہ گنوا دیں اسے کہیں
نفرت کے اس بھنور سے سفینہ بچائیں ہم

دل سے منافقت کو کھرچ کر نکال دیں
اس مرض سے نجات ہر اک کو دلائیں ہم

جو ہم کو ہے پسند، ہو وہ سب کے واسطے
یہ ہے اصل علاج، اسے آزمائیں ہم

قول و عمل میں فرق نہ رہ پائے اب کہیں
محرومیوں کے داغ عطا سے مٹائیں ہم

حرص و ہوس میں پڑ کے گروہوں میں بٹ گئے
پھر سے عمر خلوص کی محفل سجائیں ہم

عمر برناوی

پشاور اور لاہور میں منعقد ہونے والے

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت

ڈاکٹر اسرار احمد

کے

خطباتِ خلافت

کا نظام الاوقات :

پشاور : ۱۳ تا ۱۵/ دسمبر ۹۳ء' روزانہ بعد نماز مغرب

بمقام : نشتر ہال

لاہور : ۲۰ تا ۲۲/ دسمبر ۹۳ء' بعد نماز عشاء

بمقام: جناح ہال (ٹاؤن ہال) شاہراہ قائداعظم

موضوعات :

☆ موجودہ مایوس کن حالات میں عالمی نظام خلافت کی نوید جانفزا

☆ خلافت کی اصل حقیقت

☆ عہد حاضر میں نظام خلافت کا سیاسی' دستوری اور معاشی و معاشرتی نظام

☆ عہد حاضر میں نظام خلافت کے قیام کا نبوی طریق کار

شرکت کی عام دعوت ہے